اللہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ

اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کیلئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت (یعنی معرفت حاصل) کریں

لا الہ الا اللہ
محمد رسول اللہ

شاہراہِ معرفت

کتابچہ نمبر 11

اکابر بالخصوص مجددین رحمۃ اللہ علیہم کی تعلیمات کے تعارف کیلئے

حضرت سید شبیر احمد کاکاخیل دامت برکاتہم

مسترشد حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ

و خلیفہ مجاز دیگر اکابر رحمۃ اللہ علیہم

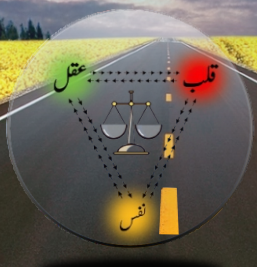

ناشر : خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ راولپنڈی

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور
حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے علوم شریعت، طریقت اور حقیقت (معرفت) سے
کتابچوں کا سلسلہ

شاہراہِ معرفت

کتابچہ نمبر 11

(شعبان۔1444ھ) بمطابق (اُحد۔1401 شمسی ہجری)

بمطابق (فروری۔2023ء)

زیرِ سرپرستی

حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب مدظلہ العالی

مقصد: اسلاف کی تحقیقات سے اُمَّت کو آجکل کی
سمجھ میں آنے والی زبان میں روشناس کرنا

مجلس تحقیقات

زین العابدین صاحب مدظلہ

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ

مکان نمبر 1/CB-1991۔ بلمقابل جامع مسجد سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ

گلی نمبر 4۔ اشرف لین نزد آشیانہ چوک۔ اللہ آباد۔ ویسٹرج 3۔ راولپنڈی

فہرست مضامین

	عنوانات	
1	دیباچہ	2
2	حمد باری تعالیٰ	4
3	نعت رسول اکرم ﷺ	5
4	عارفانہ کلام	6
5	مطالعہ سیرت بصورتِ سوال	7
6	خواتین کیلئے بیان	10
7	تعلیمات مجددیہ رحمۃ اللہ علیہ	34
8	مقامات قطبیہ و مقالات قدسیہ	68
9	مختصراتِ سلوک	91
10	خانقاہ کے شب و روز	97

دیباچہ

الحمد للہ شاہرائے معرفت کا گیارواں شمارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور قارئین کے لئے مفید بنائے۔ آمین۔

سابقہ شماروں کی طرح اس شمارے کی ابتدا بھی حمد اور نعت شریف سے کی گئی ہے اس کے بعد ایک کلام شامل کیا گیا ہے۔

چونکہ شعبان کا مہینہ شروع ہو چکا ہے اس لیے مناسب ہے کہ اس ماہِ مبارک کے حوالہ سے لوگوں تک بات پہنچائی جائے اس لیے اس شمارے میں جو نثری مضامین شامل کیے گئے ہیں ان میں پہلا "مطالعہ سیرت" کے عنوان سے ہے جس میں پندرھویں شعبان کو قبرستان میں میتوں کے لیے ایصال ثواب اور دعا کے لیے جانے کے حوالے سے سوالاً جواباً رہنمائی کی گئی ہے۔

دوسرے مضمون میں ماہِ شعبان کی اہمیت بتائی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اس ماہ کو سنت طریقے کے مطابق کیسے گزارا جاسکتا ہے۔ مزید 15 شعبان کے حوالے سے بھی اس میں سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

اس شمارے میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مختلف مکاتیب سے تعلیمات بیان کی گئی ہیں جن میں سب سے پہلے مکتوب نمبر 207 دفتر اول کے حصہ دوم میں حضرت مجدد صاحبؒ نے تصوف کا مقصد بیان فرمایا اور پھر مکتوب نمبر 37 دفتر اول میں اپنے احوال کے بارے میں فرمایا کہ میرے اوپر کافی عرصے تک علوم و معارف وارد ہوئے اور جو کام کرنا تھا وہ بھی کر لیا اب بس یہی خواہش ہے آپ ﷺ کی سنتوں میں کسی سنت کو زندہ کیا جائے۔

اس کے بعد مکتوب نمبر 54، دفتر دوم میں حضرت نے فرمایا کہ اس دور میں بدعت بہت پھیل گئی ہے لہذا اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ سنتوں کو زندہ کیا جائے اور بدعت سے بہت ہی زیادہ اجتناب کیا جائے.

پھر حضرت نے متابعت کے ساتوں درجات کو تفصیل سے بیان کیا جن میں ہر ایک کی تفصیل ان شاء اللہ شمارے میں آئے گی۔

حضرت کاکا صاحبؒ کی تعلیمات کے سلسلے میں شمارۂ ہذا میں حضرت حلیم گل بابا صاحبؒ کی کتاب "مقاماتِ قطبیہ و مقالاتِ قدسیہ" کا درس نمبر 8 پیش کیا گیا ہے۔ جس میں شروع میں حضرت رحمۃ اللہ کے زہد کے بارے میں بتایا گیا ہے اور فرمایا کہ جو کوئی اللہ کے لیے دنیا کو چھوڑ دیتا ہے تو دنیا والے اسے نہیں چھوڑا کرتے۔

دنیا کی محبت کے بارے میں فرمایا کہ اگر کوئی یہ چاہے کہ اس راستے میں قدم رکھے، تو ایسا اور اس انداز میں رکھے جیسا کہ دین کے مردانِ حق نے رکھا تھا۔ اور یہ قاعدہ تب تک معمول نہیں بن سکتا جب تک کوئی شخص دنیا کی محبت اور دنیا سے لطف اندوزی کا خیال دل سے بالکل باہر نکال کر خالی نہ کرے۔

حضرت کے قلتِ طعام کے مجاہدے کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرتؒ اکثر خالی پیٹ رہا کرتے تھے اور بہت ہی کم کھانا کھاتے تھے۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ شمارۂ ہذا کا بغور مطالعہ فرمائیں اور اپنی کیفیات و آراء سے مطلع فرمائیں۔ اللہ کریم ہماری کامل اصلاح فرمائے اور ہمیں دائمی رضا سے نوازے۔ آمین۔

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ

حمد باری تعالیٰ

ایک چسک

ذکر سے تیرے زباں میری ہمیشہ رہے تر
اور ترے در پہ خدایا پڑا رہے مرا سر

اپنا دل تجھ کو خدایا میں اس میں پیش کروں
اور اس کے نور سے روشن ہو مرا قلب و نظر

میں تجھ کو یاد کروں اور خود کو بھول جاؤں
جگمگا اٹھے تیری یاد سے مرے شام و سحر

شوق سے پڑھتا رہوں تیرا الٰہی میں کلام
اور مرا دل ہو ہمیشہ یا الٰہی ترا گھر

لمحہ لمحہ اور بال بال پیسہ پیسہ مرا
کروں قرباں میں ترے واسطے پھروں نگر نگر

آنکھ کان اور زباں میں حیا شبیرؔ کے ہو
قلب پر نور ہو مرا اور زباں پہ ہو اثر

کتاب: پیغامِ محبت

نعت شریف

جان مدینے میں رہے

(مدینہ منورہ جاتے ہوئے بس میں)

جسم کہیں بھی ہو پر جان مدینے میں رہے
حق تو یہ ہے کہ بس انسان مدینے میں رہے

روح کو بار بار مدینے کے سفر پہ بھیجوں
تاکہ دل میرا بھی ہر آن مدینے میں رہے

میری سوچوں اور خیالات کا مرکز ہے وہ
میرے جینے کا یہ سامان مدینے میں رہے

جسم خادم ہے جہاں بھیج دیا بھیج دیا
پر مگر جسم کا سلطان مدینے میں رہے

اب تو شبیرؔ کو خادم وہ بنا لے اپنا
نہ کہ آٹھ دن کا ہی مہمان مدینے میں رہے

کتاب: شاہرائے محبت

عارفانہ کلام

شبِ برات

شبِ برات کی اس رات کی برکات دیکھیں
اور پھر چشمِ تصور میں وہ حالات دیکھیں

فیصلے رب کے ہمارے لیے اترتے ہوں
ہمیشہ ہوتی جو ہیں اپنی وہ حاجات دیکھیں

کس طرح ہم ہوں مطمئن اس اہم رات میں پھر
زباں پہ اہلِ قلوب کی پھر مناجات دیکھیں

آنکھ پُر نم ہے پُر امید مگر خوف کے ساتھ
کچھ خوش نصیبوں کا یہ حال ساری رات دیکھیں

اس کی بخشش و داد کی لوٹ کی آواز بھی سن
کیا کرم اس کا ہے ہم پر بھی یہ ساعات دیکھیں

رات قیام میں گزرے اور دن میں روزہ ہو
دل ہو شرمندہ اور آنکھوں کی برسات دیکھیں

وہ ہیں نادان جو رسموں میں ہیں گم، ان میں تُو
شغلِ آتش کا ہندوؤں کی باقیات دیکھیں

دل سے میری ہے دعا مجھ کو لکھے وہ اپنا
کاش شبیرؔ ان سے ان کی آج یہ سوغات دیکھیں

کتاب: پیغامِ محبت

مطالعہ سیرت بصورتِ سوال

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ اَمَّا بَعْدُ ۝ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

سوال:

15 شعبان کی رات لوگ قبرستان جایا کرتے ہیں اور اس کو آپ ﷺ کی سُنت سمجھتے ہیں۔ کیا 15 شعبان کی رات کو قبرستان جانا آپ ﷺ کی مستقل سُنت رہی ہے یا آپ ﷺ زندگی میں صرف ایک دفعہ 15 شعبان کی رات قبرستان گئے ہیں؟ کیا آپ ﷺ اکیلے قبرستان تشریف لے گئے یا کوئی اور بھی ساتھ تھا؟ آج کل جس طرح لوگ مجمع کی صورت میں قبرستان جاتے ہیں اس عمل کی شریعت میں کیا حیثیت ہے؟

جواب:

نبی کریم ﷺ کی طرف سے جس چیز کو جس طرح کیا گیا ہو اس طریقے سے کرنے میں ہی فائدہ ہے۔ اگر کوئی شخص ہر سال بھی جائے لیکن اس کو لازم نہ سمجھے تو اس کی گنجائش ہے لیکن جو لازم سمجھے گا وہ دین میں اضافہ کرے گا۔

یہ سمجھنا چاہیے کہ قبرستان جانا کس لئے ہوتا ہے؟ مُردوں کے لئے فاتحہ، دعا اور ایصالِ ثواب کے لئے جانا ہوتا ہے۔ وہاں چراغاں کرنا، میلا ٹھیلا بنانا یا اجتماعی طور پر جانا درست نہیں۔ آپ ﷺ بذات خود اس حد تک خاموشی سے گئے تھے کہ خود اپنی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کو بھی نہیں بتایا۔ چپکے سے اٹھے اور باہر تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا کو خیال ہوا کہ شاید کسی اور زوجہ کے پاس جا رہے ہیں تو وہ دیکھنے کے لئے باہر آئیں اور جنت البقیع پہنچ گئیں کیونکہ وہ قریب ہی تھا۔ دیکھا کہ آپ ﷺ میتوں کے لئے دعا فرما رہے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کو بڑی ندامت ہوئی اور جلدی سے بھاگتی ہوئی واپس پہنچ گئیں۔ آپ ﷺ جب تشریف لائے تو ان کا سانس ابھی تک چڑھا ہوا تھا، پوچھا: آپ کا سانس

کیوں چڑھا ہوا ہے؟ انہوں نے وجہ بتادی۔ فرمایا: میں اس رات قبرستان کیوں نہ جاؤں کہ بنو کلب کی بکریوں کے بالوں کے برابر لوگوں کی مغفرتیں ہو رہی ہیں اس لئے میں نے ان کے لئے دعا کی ہے۔

آپ ﷺ کی سنت یہ ہے کہ آدمی اکیلے، بغیر اطلاع کے خاموشی کے ساتھ قبرستان جائے اور یہی کام (ایصالِ ثواب) کر کے واپس آ جائے۔ آپ ﷺ قبرستان میں ٹھہرے نہیں تھے بلکہ فوراً واپس آ گئے تھے۔

در اصل لوگ ہر چیز کو اپنی نفسانی خواہشات پورا کرنے کے لئے ذریعہ بناتے ہیں، انہیں اگر کسی جگہ سے کوئی جرثیمہ مل جائے تو اس کے اوپر اپنا محل کھڑا کر دیتے ہیں۔ Darwin کو بن مانس کا دانت ملا تھا تو اس نے پورا بن مانس کھڑا کر دیا کہ یہ ایسا تھا اور ویسا تھا۔ بھلا دانت سے کہاں پتا چلتا ہے۔ کیا دانت کے اندر کوئی اس کی تصویر تھی؟ یہ بس ان کے ذہن کے شگوفے ہوتے ہیں جو سارے کے سارے سامنے آ جاتے ہیں ورنہ اس بات کی کوئی تک نہیں ہے۔

میں بھی ایک دفعہ (قبرستان جانے کی) سنت کو پورا کرنے کے لئے الہ آباد کے قبرستان گیا تھا۔ اس سے پہلے کبھی سنت کو پورا کرنے کے لئے نہیں گیا تھا۔ اکیلے ہی گیا۔ (وہاں دیکھا کہ) ایک مولوی صاحب دس، پندرہ آدمیوں کے ساتھ بیٹھے تھے اور با قاعدہ ایک کورس میں پڑھا جا رہا تھا۔ پہلے مولوی صاحب پڑھتے بعد میں وہ پڑھتے۔ میں نے سوچا کہ یہ بھی اب تجارتی کام بن گیا۔ اس میں بھی اب کچھ commercial ground (تجارتی پہلو) شروع ہو گئے۔ جنہوں نے اس کو commercialize کرنا ہے (تجارت بنانا ہے) ان کے الگ ہی معاملے ہیں۔

یہ صرف یہاں نہیں ہوتا بہت ساری جگہوں پہ یہ چیزیں ہیں۔ مدینہ منورہ میں ٹرانسپورٹرز نے مشہور کیا ہوا ہے کہ ایک جگہ ہے جہاں پانی واپس چڑھائی کی طرف چڑھ رہا ہے۔ مجھے بھی میرے ساتھی نے کہا کہ اس طرح کی ایک جگہ ہے۔ میں نے کہا: مجھے لے جاؤ، میں تجربہ کر لوں۔ میں اپنے ساتھ گلاس اور کچھ پیمائش وغیرہ کی چیزیں لے گیا۔ اس سڑک کے اوپر میں نے پیمائش کے لئے نقشہ کھینچا اور اس گلاس

سے پانی کی گہرائی دیکھی کہ ایک طرف کتنی ہے اور دوسری طرف کتنی ہے؟ پتا چلا کہ وہ چڑھائی نہیں تھی بلکہ اترائی تھی لیکن وہ چڑھائی اس لئے نظر آ رہی تھی کہ وہاں پہاڑوں کا جغرافیہ اس طرح ہے جس طرح سراب ہوتا ہے، پہاڑوں کی بناوٹ ایسی ہے کہ انسان کا imagination change (دیکھنے کا نظریہ تبدیل) ہو جاتا ہے اور چیزیں مختلف نظر آتی ہیں۔ پھر میں نے اس کے بارے میں انٹرنیٹ پر تحقیق کی تو انٹرنیٹ پر یہ ساری تفصیل دی ہوئی تھی، انہوں نے کئی طریقوں سے اس کو ثابت کیا تھا۔ فضا سے بھی ثابت کیا تھا اور دوسرے کئی طریقوں سے بھی ثابت کیا تھا۔ میں نے اپنی کتاب "**شاہراہ محبت**" میں بھی اس بارے میں لکھا۔

وہاں ٹرانسپورٹرز کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ یہاں زیادہ سے زیادہ آئیں چنانچہ لوگوں کے لئے با قاعدہ بسیں اور ٹیکسیاں کر لیتے ہیں اور جب وہ جگہ آ جائے تو وہاں اپنی گاڑی کو نیوٹرل پہ سیٹ کر کے چابی نکال لیتے ہیں اور لہراتے ہوئے چلاتے ہیں کہ دیکھو اب چابی میرے ہاتھ میں ہے، گاڑی کا انجن بند ہے مگر اس کی رفتار بڑھ رہی ہے کیونکہ درحقیقت وہاں ڈھلوان ہوتی ہے، جس کی وجہ سے رفتار بڑھ جاتی ہے، لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس وقت گاڑی نیچے کی طرف جا رہی ہے۔ گاڑی کی رفتار 100 تک پہنچ جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں: واہ کیا بات ہے اور سارا کا سارا نقشہ کھینچ دیتے ہیں۔

اصل میں لوگوں نے commercialize (تجارتی کام) کرنا ہوتا ہے۔ کچھ لوگوں نے اس کو وادیٔ جن کہنا شروع کر دیا۔ یعنی جنات اس طرح کرتے ہیں، وہ آپ لوگوں کی گاڑیاں چلاتے ہیں۔ ان کو بھی اچھا خاصا شغل ہاتھ آ گیا۔ اس قسم کی باتوں سے لوگ متاثر ہوتے ہیں، سوچتے نہیں ہیں اور اس قسم کے ڈرامے بن جاتے ہیں۔ اللہ پاک ہم لوگوں کو ایسی چیزوں سے بچائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

خواتین کیلئے بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ ۝
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝
اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ ۝ فِیْھَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ ۝ۙ
اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا کُنَّا مُرْسِلِیْنَ ۚ ۝

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَحْصُوْا ھِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ وَکَانَ یَتَحَفَّظُ مِنْ شَعْبَانَ مَالَا یَتَحَفَّظُ مِنْ غَیْرِہٖ ۝ وَقَالَ عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ لَا یَتَقَدَّمَنَّ اَحَدُکُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ یَوْمٍ اَوْ یَوْمَیْنِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ رَجُلًا کَانَ یَصُوْمُ یَوْماً فَلْیَصُمْ ذٰلِکَ الْیَوْمَ ۝ وَقَالَ عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ فِیْ ھٰذِہِ اللَّیْلَۃِ یَعْنِیْ لَیْلَۃَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ اَنْ یُّکْتَبَ کُلُّ مَوْلُوْدٍ بَنِیْ اٰدَمَ فِیْ ھٰذِہِ السَّنَۃِ وَفِیْھَا اَنْ یُّکْتَبَ کُلُّ ھَالِکٍ فِیْ ھٰذِہِ السَّنَۃِ وَفِیْھَا تُرْفَعُ اَعْمَالُھُمْ وَفِیْھَا تُنْزَلُ اَرْزَاقُھُمْ ۝ وَقَالَ عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ اِذَا کَانَتْ لَیْلَۃُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَقُوْمُوْا لَیْلَھَا وَصُوْمُوْا یَوْمَھَا فَاِنَّ اللّٰہَ یَنْزِلُ فِیْھَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ اِلٰی سَمَاءِ الدُّنْیَا فَیَقُوْلُ: اَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرَ لَہٗ؟ اَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَاَرْزُقَہٗ؟ اَلَا مُبْتَلًی فَاُعَافِیَہٗ؟ اَلَا کَذَا؟ اَلَا کَذَا؟ حَتّٰی یَطْلُعَ الْفَجْرُ ۝

وَقَالَ صَاحِبُ "مَا ثَبَتَ بِالسُّنَّۃ"، مِنَ الْبِدَعِ الشَّنِیْعَۃِ مَا تَعَارَفَ النَّاسُ فِیْ اَکْثَرِ بِلَادِ الْھِنْدِ مِنْ اِیْقَادِ السُّرُجِ وَوَضْعِ عَلَی الْبُیُوْتِ وَالْجُدْرَانِ وَتَفَاخُرِھِمْ بِذٰلِکَ وَاجْتِمَاعِھِمْ لِلَّھْوِ وَاللَّعْبِ بِالنَّارِ وَاِحْرَاقِ الْکِبْرِیْتِ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنَ ذٰلِکَ وَالظَّنُّ الْغَالِبُ اتِّخَاذُھُمْ رُسُوْمَ الْھُنُوْدِ فِیْ اِیْقَادِ السُّرُجِ لِلدِّوَالِیْ ۝

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ ۝

معزز خواتین و حضرات!

گزشتہ اتوار بھی یہی بات چیت ہوئی تھی۔ اصل میں ہمارا مقصد محض تقریر کرنا نہیں ہے کیونکہ یہ کوئی تقریری مقابلہ نہیں ہے بلکہ ہمارا مقصد محض اس بات کو سامنے

لانا ہوتا ہے کہ موجودہ وقت کا تقاضا کیا ہے اور ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ لہٰذا جب تک شعبان ہے تب تک شعبان کی بات ہو گی۔

آپ ﷺ نے شعبان کے اندر برکت کی دعا فرمائی ہے۔ جب رجب کا چاند دیکھ لیا تو آپ ﷺ نے دعا کی: "اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ" "اے اللہ ہمارے لئے رجب اور شعبان میں برکت عطا فرما اور ہمیں رمضان تک پہنچا دے"۔ ہمیں بھی یہ دعا کرنی چاہیے کہ شعبان کا مہینہ جتنا باقی ہے اس میں اللہ پاک ہمارے لئے برکت عطا فرمائے اور رمضان شریف تک ہمیں پہنچا دے۔

رمضان شریف ایک رحمتیں برسنے والا مہینہ ہے۔ آپ اللہ پاک کی رحمت کو دیکھیں کہ ماہ رمضان میں نفل فرضوں کے برابر ہو جاتا ہے اور فرض ستر گنا ہو جاتا ہے۔ عموماً کوئی شخص دن میں پانچ فرض نمازوں سے زیادہ فرض نہیں پڑھ سکتا، اگر پڑھے گا تو وہ نفل ہو جائے گی لیکن رمضان شریف میں آپ کو ہر فرض کا ثواب ستر فرضوں کے برابر مل رہا ہے۔ گویا ایک دن میں آپ تین سو پچاس فرض نمازیں پڑھ سکتے ہیں۔ اس ماہ میں ہر چیز کا اجر بڑھ جاتا ہے۔ اس لئے میں یہ بات عرض کر رہا ہوں کہ رمضان رحمتوں کے برسنے والا مہینہ ہے۔ اس کے لئے تو دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نصیب فرمائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ شعبان کے مہینہ کی قدر کریں۔ یہاں ایک سوال ہو سکتا ہے کہ آپ کہہ رہے ہیں شعبان کے مہینے کی قدر کریں تو یہ بتائیں کہ قدر کیسے کریں؟ ظاہر ہے جو سوال آپ کے ذہن میں ہے، وہ سوال میرے ذہن میں بھی ہے۔ ہم سب یہ سوال آپ ﷺ سے پوچھیں گے کیونکہ آپ ﷺ ہی اس کا جواب بتا سکتے ہیں اور کوئی نہیں بتا سکتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی تو آپ ﷺ کے پیچھے چل رہے تھے۔ آپ ﷺ کے بتانے کا انداز قولی، فعلی اور تقریری، تین قسم کا ہوتا ہے۔ کسی چیز کے بارے میں صراحتاً بتا دیں، تو یہ بھی بتانا ہے، کسی پر عمل کر رہے ہوں تو یہ بھی بتانا ہے، کسی چیز سے نہ روکیں، یہ بھی بتانا ہے اور اگر کسی چیز سے روکیں تو یہ بھی بتانا ہے۔

میں دارالعلوم کراچی میں ایک کورس کے سلسلہ میں گیا تھا۔ پندرہ شعبان کی

رات وہیں آئی۔ میں دیکھ رہا تھا کہ وہاں کے علماء اِس رات میں کیا کرتے ہیں۔ وہاں پہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مفتی عبد الرؤوف سکھروی صاحب دامت برکاتھم اور ان کے کئی مرید ہیں۔ میں نے دیکھا کہ حضرت عشاء کی نماز پڑھ کے گھر چلے گئے، تھوڑی دیر کے بعد واپس مسجد تشریف لائے اور نماز پڑھنی شروع کی، دو رکعت پڑھیں، اس کے بعد دو رکعت اور پڑھیں، اس کے بعد دو رکعت مزید پڑھیں۔ انہیں دیکھ کر ان کے مرید بھی وہی کر رہے تھے۔ یہ فعلی دعوت تھی کہ جو کیا جا رہا ہے وہ تم بھی کرو، کہنے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔

اس وجہ سے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے مہینہ میں کیا کیا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے مہینہ میں روزے کثرت کے ساتھ رکھتے تھے، اتنی کثرت کے ساتھ رکھتے تھے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اتنی زیادہ کثرت سے سوائے رمضان کے اور کسی اور مہینہ میں روزے نہیں رکھتے تھے۔ شعبان میں اتنے زیادہ روزے رکھتے تھے کہ ایسا لگتا جیسے افطار ہی نہیں کریں گے۔ ہمیں بھی ایسا ہی کرنا چاہیے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی استحبابی سنت ہے۔ استحبابی سنت ایسے عمل کو کہتے ہیں جس کی تاکید نہ کی جائے لیکن عملی طور پر ترغیب دے دی جائے۔ یوں تو یہ استحبابی سنت ہوتی ہے لیکن جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق ہیں ان کے لئے تو اتنی بات کافی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کیا ہے۔ ان کے لئے تو یہ پیغام ہی کافی ہے۔

کتنے ہی لوگ ہیں کہ جن سے وہ متاثر ہوتے ہیں ان کی طرح بال رکھتے ہیں، ان کی طرح باتیں کرتے ہیں، ان کی طرح بننے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ ان کا دل اِس طرف ہوتا ہے نتیجتاً ان کا عمل بھی اسی قسم کا ہوتا ہے۔ ہم لوگ اگر یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمیں محبت ہے تو اس محبت کا مظاہرہ شعبان کے مہینہ میں کثرت کے ساتھ روزے رکھ کے کیا جائے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے مہینہ کے بارے میں ایک قولی حدیث کے ذریعے بھی کچھ فرمایا ہے، میں وہ سنا دیتا ہوں تاکہ بات آپ حضرات کے سامنے آ جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "شعبان کے چاند کا شمار رکھو رمضان کے لئے"۔ جب شعبان کی تاریخ صحیح

ہو گی تو رمضان میں اختلاف کم ہو گا۔

اسی بارے میں ایک قولی حدیث یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص رمضان کے ایک دن یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھے مگر یہ کہ وہ شخص کسی خاص دن کا روزہ رکھا کرتا ہو اور رمضان سے ایک دن پہلے وہ دن ہو"۔ مثلاً ایک آدمی کا ہر پیر کو روزہ رکھنے کا معمول ہے، انتیس شعبان کو پیر کا دن آگیا تو اس دن بھی روزہ رکھ لے۔ یہ حکم ایک خاص وجہ سے ہے کہ کہیں رمضان میں سستی نہ ہو جائے، رمضان شریف میں کمزوری نہ ہو جائے لہٰذا ایک دن پہلے روزہ نہ رکھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ شک کی بنیاد پہ بھی روزہ نہیں رکھنا چاہیے، یقینی بات ہو تب روزہ رکھنا چاہیے۔

آپ ﷺ نے شعبان کی پندرھویں رات کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اس رات میں وہ سب بنی آدم لکھ لئے جاتے ہیں جو اس سال پیدا ہوں گے اور جو اس سال میں مریں گے اور اسی رات میں ان کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں اور اسی میں ان کے رزق نازل ہوتے ہیں۔ اعمال اٹھائے جانے سے مراد ان کا پیش ہونا ہے اور رزق نازل ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس سال میں جو رزق ملنے والا ہے وہ سب لکھ دیا جاتا ہے۔ اگرچہ سب چیزیں پہلے سے لوح محفوظ میں محفوظ ہیں مگر اس رات کو با قاعدہ لکھ کر فرشتوں کے سپرد کیا جاتا ہے۔

ایک اور قولی حدیث شریف ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب آدھے شعبان کی رات ہو تو اس رات شب بیداری کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس رات غروب آفتاب کے وقت سے ہی آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کیا کوئی مغفرت چاہنے والا ہے کہ میں اس کو بخش دوں؟ کیا کوئی روزی مانگنے والا ہے کہ میں اس کو روزی دوں؟ کیا کوئی مصیبت زدہ ہے کہ وہ عافیت کی دعا مانگے اور میں اس کو عافیت دوں؟ کیا کوئی ایسا ہے، کیا کوئی ایسا ہے؟ رات بھر یہی رحمت کا دریا بہتا رہتا ہے یہاں تک کہ صبح صادق ہو جاتی ہے۔

ہمیں چاہیے کہ اس دفعہ حساب لگا لیں۔ اس دفعہ منگل 07 مارچ اور بدھ 08 مارچ کی درمیانی رات شبِ برات ہو گی۔ شعبان کی 13 تاریخ کو پیر کا دن ہے، 14 تاریخ

کو منگل کا دن ہے اور 15 کو بدھ ہے۔ اس کے ساتھ ہی 13، 14 اور 15 کی تاریخیں ایام بیض بھی ہیں۔ اب دیکھیں کہ 13 تاریخ کو پیر کے دن کے روزے کی سنت بھی ادا ہو گی اور ایام بیض کے تین روزے بھی پیر، منگل اور بدھ کو ہیں تو گویا پیر کے دن دو سنتیں اکھٹی ہو گئی۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ان دنوں سے پورا پورا استفادہ کریں۔

حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اس پر بیان فرمایا تھا۔ ان دنوں میں بھی اتفاقاً وہیں تھا۔ اتفاقاً تو نہیں کہنا چاہیے۔ ہمارے بزرگ فرماتے ہیں کوئی کام بھی اتفاقاً نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے سے لکھا ہوتا ہے۔ بہرحال میں ان دنوں کراچی میں تھا۔ حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب بیت المکرم مسجد میں نماز پڑھاتے ہیں، میں نے سوچا کہ حضرت کے پیچھے نماز پڑھ لیتا ہوں اور ادھر پہنچ گیا، غالباً وہ 14 شعبان کا دن تھا، یا شاید اس سے پہلے کا کوئی دن تھا۔ حضرت نے اُس دن اسی موضوع پر بیان فرمایا۔ چونکہ میں نے یہ بیان اس مجلس میں بیٹھ کر سنا ہوا ہے لہٰذا درمیان میں کوئی اور راوی نہیں ہے، یہ براہ راست نقل کر رہا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ بھائی یہ نہ کہو کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس لئے میں اس پہ عمل نہیں کرتا۔ کوئی حدیث ایسی بھی ہوتی ہے جو ضعیف ہوتی ہے لیکن کئی طرق سے مروی ہوتی ہے، اس لئے حدیث شریف کے قانون کے مطابق اس میں قوت آ جاتی ہے۔

میں اس کا عقلی تجزیہ بتاتا ہوں۔ مثلاً میں گاڑی میں سوار راستہ پہ جا رہا ہوں، آگے سے کوئی ہاتھ سے روک کر مجھے بتاتا ہے کہ آگے نہ جانا، ہڑتال کی وجہ سے راستہ بند ہے۔ میں اس شخص کو جانتا نہیں ہوں، اس لئے اس کے اطلاع دینے پر یہ سوچ کر آگے چلا جاتا ہوں کہ ممکن ہے یہ درست نہ کہہ رہا ہو۔ تھوڑا سا آگے گیا تو کسی اور آدمی نے کہا آگے ہڑتال کی وجہ سے راستہ بند ہے۔ اب اطلاع دینے والے دو ہو گئے، میں شش و پنج میں مبتلا ہو گیا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اتنے میں ایک تیسرے آدمی نے بھی کہہ دیا، چوتھے آدمی نے بھی کہہ دیا۔ آپ بتائیں اب میرے پاس اس کے علاوہ کیا چارہ ہو گا کہ میں اس اطلاع کو سچ مان کر واپسی کی راہ لے لوں۔ حالانکہ میں ان میں سے کسی کو نہیں جانتا لیکن میرے لئے ان کی بات یقینی ہو گی۔ حدیث شریف کی

حفاظت کے لئے ایک قانون بنایا گیا ہے، اسے اچھی طرح سمجھ لیں۔ یہ بڑی اچھی بات عرض کر رہا ہوں۔ حدیث شریف کی حفاظت کے لئے ایک قانون یہ ہے کہ اگر سند میں ایک راوی بھی مجہول آ جائے تو حدیث شریف ضعیف ہو جاتی ہے۔ (مجہول سے مراد ایسا آدمی جس کو کوئی نہ جانتا ہو، اجنبی ہو، اس کے بارے میں معلومات نہ ہوں)۔ اس کو ہم ضعیف ہی کہیں گی کیونکہ حدیث شریف کی حفاظت اسی میں ہے۔ محدثین حضرات تو کسی کو معاف نہیں کرتے وہ تو اس پر ضعیف کی مہر ہی لگائیں گے۔ ان کی ڈیوٹی بھی یہی ہے ان کی مثال ان لوگوں جیسی ہے جو کوالٹی چیکنگ کا کام کرتے ہیں۔ کام کرنے والے بیچارے ڈرتے رہتے ہیں کہ پتا نہیں یہ ہمارے کام کے بارے میں کیا کہیں گے۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ ہماری تو مجبوری ہے، ہمارا کام ہی معیار کی جانچ کرنا ہے۔ اسی طرح محدثین کی بھی مجبوری ہے۔ یہ میں نے ایک عقلی توجیہ کی ہے۔ جس حدیث کا راوی مجہول ہے، ضروری نہیں کہ وہ جھوٹا بھی ہو، وہ سچا بھی ہو سکتا ہے، وہ مجہول اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ اسے کوئی جانتا نہیں ہے، لیکن اگر کئی معتبر قسم کے لوگ اسی حدیث کی روایت میں آ جائیں، ان پر کچھ بڑے لوگوں نے اعتماد بھی کیا ہو تو اس روایت کو طاقت حاصل ہو جاتی ہے۔ جیسے میں جو باتیں بتا رہا ہوں، یہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہیں، ان کی بات پر اعتماد ہے، حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب شیخ الاسلام ہیں، انہوں نے اس پر بیان فرمایا ہے، ان کی بات پر بھی اعتماد ہے، ان کے علاوہ جتنے اہل قلوب ہیں وہ سب اس رات کے قائل ہیں، چاہے وہ دلیل دے سکیں یا نہ دے سکیں لیکن وہ عملاً اس کے قائل ضرور ہیں۔ قولاً نہیں فرماتے لیکن ہم نے عملاً دیکھا ہے۔ وہ عملاً اس کے قائل ہوتے ہیں، ان میں سے کوئی اس موقع کو ضائع نہیں کرتا۔ تمام اہل اللہ کے اس عمل میں کچھ اشارہ موجود ہے۔ بے شک ہم بھی اس پر بات نہ کریں لیکن فائدہ تو ضرور اٹھانا چاہیے کیونکہ فائدہ اٹھانے پہ پابندی نہیں ہے۔ مثلاً اس رات کو کسی نے شب بیداری کی تو اس پر کوئی بدعتی ہونے کا الزام نہیں لگا سکتا۔ اس لئے کہ حدیث چاہے ضعیف ہی کیوں نہ ہو، حدیث تو ہے اور فقہا کے نزدیک فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کی گنجائش ہے۔ اور شب برات کی رات میں عبادت کرنا فضائل کی بات ہے مسائل کی بات نہیں ہے۔ اس رات میں ہم جو نماز

پڑھتے ہیں، کیا وہ کوئی مختلف نماز ہوتی ہے؟ یا کوئی دعا کرتے ہیں تو کیا وہ کوئی مختلف دعا ہوتی ہے؟ یا کوئی ذکر کرتا ہے تو کیا وہ کوئی مختلف ذکر ہوتا ہے؟ یہی ذکر، یہی دعا، یہی قرآن پاک کی تلاوت ہوتی ہے۔ ان اعمال میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ اعمال صحیح احادیث شریفہ سے ثابت ہیں، لہٰذا اس رات میں جو اعمال کیے جا رہے ہیں وہ تو صحیح ہیں ان پہ تو کوئی فرق نہیں پڑ رہا، صرف فضیلت کی بات ہے۔ اگر فضیلت ہے تو ہمیں مل جائے گی، نہیں ہے تو کوئی نقصان نہیں ہو گا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ایک شخص نے کہا: کیا آپ آخرت پر یقین رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا: مسلمان ہوں، یقین ہے۔

کہنے لگا کہ مجھے تو نہیں ہے۔

فرمایا: تمھاری قسمت ہے، اگر آخرت نہیں ہے، قیامت نہیں ہے تو مجھے قیامت کا کیا نقصان اور تجھے کیا فائدہ؟ اگر تو نے نہیں مانا تو کیا تیر مارا اور میں نے اگر مانا ہے تو کیا نقصان ہوا؟ ہم اس مسئلہ میں برابر رہے لیکن اگر آخرت اور قیامت حق ہیں تو میں تو بچ جاؤں گا مگر تو کیا کرے گا۔

یہی بات یہاں پر بھی کہو کہ بھائی اگر شب برات کی فضیلت ہے تو جس نے کما لیا اس نے تو کما لیا اور اگر نہیں ہے تو اسے نماز کا اجر تو ملا ہی ہو گا، ذکر کا اجر تو ملا ہی ہو گا۔ ایسا تو کسی کتاب میں نہیں لکھا کہ اگر کوئی پندرہ شعبان کی رات کو نماز کے لئے کھڑا ہو جائے تو اس کو ثواب نہیں ملے گا۔

میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ ہمارے تبلیغی جماعت والے حضرات کہتے ہیں کہ جو اللہ کے راستے میں نکلتا ہے اسے انچاس کروڑ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ میں کہتا ہوں خدا کے بندو! اگر ضعیف حدیث ضعیف بھی ہے تو فضائل میں ہے۔ نماز میں تو کوئی فرق نہیں پڑ رہا، نماز تو وہی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایک نماز کا ثواب ملے گا یا انچاس کروڑ کا ملے گا۔ اگر کسی نے نماز پڑھ لی، اس کو انچاس کروڑ نمازوں کا ثواب نہیں ملا، لیکن ایک کا تو مل ہی گیا تو اس کا کوئی نقصان نہیں ہوا، ہمارا بھی وہی ایک کا ثواب ہے اس کا بھی وہی ایک کا ثواب ہے،

اور اگر انچاس کروڑ والی بات صحیح ہے تو پھر اسے انچاس کروڑ کا ثواب مل گیا مگر ہمیں نہیں ملا۔ یہی جواب ہم تبلیغی جماعت کے مخالفین کو دیتے ہیں اور تبلیغی جماعت والوں سے یہ بات کرتے ہیں کہ اللہ کا راستہ صرف تبلیغی جماعت نہیں ہے، اگر کوئی خانقاہ جاتا ہے وہ بھی اللہ کے راستے میں ہے، اگر کوئی جہاد میں جاتا ہے تو وہ بھی اللہ کے راستے میں ہے، اگر کوئی پڑھنے جاتا ہے تو وہ بھی اللہ کے راستے میں ہے، یہ سارے اللہ کے راستے میں ہیں، ان سب کو اجر ملے گا، یہ تمھاری ٹھیکیداری نہیں ہے کہ صرف تمھیں اجر ملے گا۔ اگر کسی اور کے لئے ایسے اجر کا کہیں تو تبلیغی جماعت والے کچھ ساتھی ناراض ہو جاتے ہیں۔ خدا کے بندو! کیا تم لوگوں نے ٹھیکہ لیا ہوا ہے؟ اجر اللہ پاک دے رہے ہیں تم تو نہیں دے رہے ہو۔ اور تم کیوں بخیل بنتے ہو؟ اللہ کی عطا میں بخیل ہونا صحیح بات نہیں ہے۔ ماشاء اللہ جو لوگ یہاں آتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں تو ہم امید کرتے ہیں کہ اگر یہ انچاس کروڑ نمازوں والی بات درست ہے تو ان کو بھی انچاس کروڑ نمازوں کا ثواب ملے گا۔

ایک بڑا عجیب اور دلچسپ واقعہ ہے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ میں پشاور سے حسن ابدال آ رہا تھا، بس میں ایک طالب علم سوار ہوا۔ میں پچھلی سیٹ پہ بیٹھا ہوا تھا وہ طالب علم بھی ادھر ہی آ گیا، ہم اکٹھے بیٹھے رہے۔ حسن ابدال اور پنڈی کے درمیان تھوڑا ہی فاصلہ ہے، ہماری گپ شپ ہوئی۔ وہ جماعت میں شب جمعہ کے لئے زکریا مسجد آ رہے تھے۔

مجھ سے پوچھا: جی آپ کہاں رہتے ہیں۔

میں نے کہا: میں الہ آباد ویسٹریج میں رہتا ہوں۔

کہنے لگے: آپ سے شب جمعہ کا مرکز کتنا دور ہے؟

میں نے کہا: پیدل جائیں تو بیس پچیس منٹ لگتے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ آپ جائیں گے؟

میں نے کہا کہ آج تو نہیں جاؤں گا کیونکہ آج تو میں باہر سے آ رہا ہوں کچھ کام

ہے، البتہ میں کئی بار جایا کرتا ہوں۔

خیر وہ آرام سے بیٹھ گئے۔ میں نے کہا کہ بھائی آپ نے مجھ پر احسان کیا ہے، مجھے ایک اچھی بات کی دعوت دی ہے، اب میں آپ کے احسان کا بدلہ دینا چاہتا ہوں، میں آپ سے یہ عرض کروں گا کہ آپ تبلیغی جماعت میں ضرور پھریں لیکن دین میں تحریف نہ کریں۔

انہوں نے کہا: بھلا دین میں تحریف کیسے ہو سکتی ہے؟

میں نے کہا: بھائی میں آپ سے بات کروں گا چونکہ آپ طالب علم ہیں آپ میری بات سمجھ جائیں گے، کسی اور سے کہوں گا تو شاید وہ غصہ ہو جائے لیکن آپ سمجھ جائیں گے۔

کہنے لگے کہ کیا بات ہے بتائیں۔

میں نے کہا: دیکھو، بات سنو، آپ گشت میں آداب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جو گشت کے لئے نکلتا ہے اس کے سامنے فرشتے اس کے ادب کے لئے پر بچھاتے ہیں۔ آپ یہ بتائیں کہ یہ حدیث شریف اصل میں کن لوگوں کے لئے ہے؟

انہوں نے کہا: طالب علموں کے لئے۔

میں نے کہا: طالب علموں کے لئے تو اصل ہے اور تبلیغی جماعت والے حضرات کہتے ہیں کہ ہم بھی طالب علم ہیں۔ چونکہ علم کے حاصل کرنے کے لئے جا رہے ہیں، سیکھنے کے لئے جا رہے ہیں لہذا ہمارے لئے بھی یہ حدیث ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمیں اس سے انکار نہیں ہے کہ آپ کے لئے بھی یہ حدیث ہے لیکن جن کے لئے اصل ہے اس سے انکار نہیں کرنا چاہیے ورنہ تحریف ہو جائے گی۔

یہ سن کر کہنے لگے کہ یہ بات تو ٹھیک ہے، ایسا نہیں کہنا چاہیے۔

میں نے کہا: اچھا یہ بتائیں کہ یہ جو فرمایا جاتا ہے کہ جس نے اللہ کے راستے میں ایک دن اور ایک رات پہرہ دیا تو اس کا یہ عمل اس کے لئے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ یہ حدیث شریف بنیادی طور پر کن کے لئے ہے؟

کہنے لگے کہ یہ مجاہدین کے لئے ہے۔

میں نے کہا: اگر تبلیغی جماعت والے کہتے ہیں کہ ہم بھی دینی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں لہذا ہم بھی مجاہد ہیں اس لئے ہمیں بھی پہرہ داری کا اجر مل سکتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اجر ضرور ملے گا، ان شاء اللہ۔ اللہ کرے آپ کو بھی مل جائے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن اگر آپ لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارے لئے تو یہ اجر ہے اور مجاہدین کے لئے نہیں ہے تو پھر یہ دین میں تحریف ہو گی۔

کہنے لگے کہ ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے۔

پھر میں نے کہا: دیکھو ہم لوگ جو یہ حدیث سناتے ہیں کہ جو لوگ بیان کے لئے بیٹھتے ہیں فرشتے ان کے گرد ایک دوسرے کے اوپر جمع ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ بہت بلندی تک چلے جاتے ہیں، یہ فرشتے جب بیان ختم ہونے کے بعد یہاں سے رخصت ہو کر بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتے ہیں کہاں سے آئے ہو؟ وہ بتاتے ہیں کہ ہم اس بیان سے آئے ہیں۔ اللہ پاک ان سے کہتے ہیں کہ گواہ رہنا میں نے ان کو بخش دیا۔ پھر وہ فرشتے کسی کے بارے میں بتاتے ہیں کہ کچھ لوگ تو اپنے کسی کام سے آئے تھے لیکن ویسے ہی ادھر بیٹھ گئے اور انہوں نے بھی سن لیا۔ اللہ پاک فرماتے ہیں کہ یہ ایسے خوش نصیب لوگ ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والوں کو بھی محروم نہیں کیا جاتا، اس لئے میں نے ان کو بھی بخش دیا ہے۔ یہ حدیث شریف اصل میں کن کے لئے ہے؟

کہتے ہیں: ذکر والوں کے لئے ہے۔

میں نے کہا: اب اگر تبلیغ والے کہتے ہیں کہ یہ ہمارے بیان کے لئے تو ہے لیکن ذکر والوں کے لئے نہیں ہے تو پھر یہ کیا ہو گا؟

انہوں نے کہا کہ یہ دین میں تحریف ہو گی۔

وہ میری باتیں سن کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے جزاک اللہ آپ نے مجھے بہت اچھی طرح نصیحت کی، ان شاء اللہ میں اس کو یاد رکھوں گا اور ایسا کوئی کام نہیں

کروں گا جس سے دین میں فرق پڑے۔

بات بڑی سادہ ہوتی ہے لیکن جب درمیان میں ہمارے جذبات آتے ہیں تو گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ بھائی! دین جذباتیت کا نام نہیں ہے، دین تو با قاعدہ عقل و ہوش کے ساتھ دلائل کے اندر غور کر کے، قرآن اور سنت کو سمجھ کر احتیاط کے ساتھ چلنے کا نام ہے۔ دین کے معاملے میں ہم اس طرح نہیں کر سکتے کہ جو سنا اسے بغیر تحقیق کے آگے پہنچا دیں (بلکہ اس میں تحقیق کی ضرورت ہوتی ہے)۔

مجھے خوب یاد ہے کہ حضرت مولانا مصطفیٰ صاحب رحمہ اللہ جو تبلیغی جماعت کے بڑے تھے، انہوں نے اپنی ہدایات میں کہا کہ بھائیو بزرگو اور دوستو! جب کوئی بات سنو تو اسے آگے بیان نہ کرنا جب تک اپنے علاقہ کے علماء سے نہ پوچھ لو کہ یہ واقعی اس طرح ہے یا نہیں۔ اگر وہ اجازت دیں تو پھر ٹھیک ہے۔ اس سے پتا چل گیا کہ ہم لوگوں کو یہ احتیاط رکھنی چاہیے۔

بہرحال بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ پندرہ شعبان کی رات میں شب بیداری کرنی چاہیے۔ اب شب بیداری کیسے کریں؟ کیا آپس میں گپ شپ لگائیں؟ نہیں بھائی! گپ شپ نہیں لگانی بلکہ تقریریں بھی نہیں کرنی۔ یہ سب کچھ پہلے کرنا چاہیے۔ دیکھیں اِس وقت میں تقریر کر رہا ہوں، بس یہ کافی ہے، ان شاء اللہ آئندہ جمعہ کا بیان اسی موضوع پہ ہو گا، بس وہ کافی ہے۔ اس کے بعد پندرہ شعبان کی رات میں تقریریں نہیں ہوں گی بلکہ عمل ہو گا۔ جیسے ہی غروبِ آفتاب ہو جائے تو سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ جیسا کہ ابھی آپ نے حدیث شریف سنی ہے کہ پندرہ شعبان کی رات غروبِ آفتاب کے ساتھ ہی اللہ کی طرف سے سے ندا لگنا شروع ہو جائے گی کہ ہے کوئی پریشان حال کہ اس کی پریشانی کو دور کروں، ہے کوئی مصیبت زدہ کہ اس کی مصیبت دور کروں، ہے کوئی ایسا، ہے کوئی ایسا؟ یہ سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ لہٰذا اُس رات آپ صرف اعمال کریں اور اللہ سے مانگیں۔

ہماری سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ اللہ ہمیں معاف کر دے۔ کسی آدمی نے ایک بزرگ سے کہا کہ آپ کی کوئی خدمت ہو تو بتا دیں۔

انہوں نے کہا: جو آپ پورا نہیں کر سکتے وہ میں آپ سے کیوں مانگوں اور جو آپ کر سکتے ہیں اس کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔

اس نے کہا: کیا مطلب!

بزرگ نے فرمایا: اگر آپ آخرت میں مجھے بچا سکتے ہیں تو بتائیں، کیونکہ میری وہی ضرورت ہے۔

اس نے کہا: یہ تو ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔

انہوں نے کہا: پھر میں آپ سے کیا مانگوں میری بڑی ضرورت تو یہی ہے۔

ہماری بھی سب سے بڑی ضرورت یہی ہے کہ اللہ ہمیں معاف فرما دے۔ اس وجہ سے ہمیں تہجد کے وقت بھی دعائیں کرنی چاہئیں، نماز پڑھنی چاہیے، استغفار بھی کرنا چاہیے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ (الذاریات: ۱۸)

ترجمہ: "اور سحری کے اوقات میں وہ استغفار کرتے تھے"۔

یہ استغفار بہت بڑی چیز ہے۔ توبہ کرنا، استغفار کرنا، معافی مانگنا ہماری سب سے بڑی ضرورت ہے۔ ہمیں اس ضرورت کو اللہ تعالیٰ سے مانگنا چاہیے۔ لیلۃ القدر کی رات کے لئے بھی یہی دعا آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی۔ آپ میں سے کسی کو یاد ہے؟

"اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ يَا غَفُوْرُ"

ترجمہ: "اے میرے اللہ! بے شک تو معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے پس مجھے بھی معاف کر دے اے معاف کرنے والے۔"

دیکھیں لیلۃ القدر کتنی بڑی رات ہے، (اس کی فضیلت و عظمت) قرآن سے ثابت ہے۔ اتنی بڑی رات میں آپ ﷺ نے معافی کی دعا سکھائی۔ لہٰذا شعبان کی پندرھویں رات میں بھی اللہ سے معافی مانگو۔ رو رو کے معافی مانگو، گڑگڑا کے معافی مانگو، اس طرح معافی مانگو جیسے اگر یہ نہ ملی تو تباہی و بربادی ہے اور واقعتاً ایسا ہی ہے۔ اللہ پاک کے

سامنے بس گرنا چاہیے کہ اللہ ہمیں معاف کر دے۔ اگر ہمارے لئے یہ (معافی کا) فیصلہ ہو گیا تو خدا کی قسم ہم کامیاب ہو گئے۔ اگر ہم معاف فرما دیئے گئے تو کامیاب ہو گئے۔

اس رات میں کچھ لوگوں کو (بخشش سے) مستثنیٰ رکھا جاتا ہے۔ جن باتوں کی وجہ سے مستثنیٰ رکھا جاتا ہے وہ عرض کرتا ہوں، سب سے زیادہ مشکل باتیں یہی ہیں۔

فرمایا رسول کریم ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ متوجہ ہوتا ہے شعبان کی پندرہویں رات میں، پس مغفرت فرما دیتا ہے سب مخلوق کی مگر مشرک اور کینہ والے شخص کی مغفرت نہیں فرماتا۔ یہ ابن ماجہ کی روایت ہے۔

ایک روایت میں ہے: مگر دو شخصوں کو معاف نہیں فرماتا، ایک کینہ رکھنے والا اور ایک قتلِ نا حق کرنے والا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ نظرِ رحمت نہیں کرتے اس رات میں بھی مشرک کی طرف اور کینہ والے کی طرف اور قطع رحمی یعنی رشتہ داروں سے بلا وجہ تعلق توڑنے والے کی طرف، نہ پاجامہ ٹخنے سے نیچے لٹکانے والے کی طرف، اور نہ ماں باپ کی نافرمانی کرنے والے کی طرف اور نہ ہمیشہ شراب پینے والے کی طرف، البتہ اگر کوئی توبہ کر چکا ہو تو رحمت خداوندی اس کی طرف بھی متوجہ ہو جاتی ہے۔

لہٰذا ہمیں سب پہلے توبہ کی طرف توجہ کرنی ہے۔ غروبِ آفتاب سے پہلے ہی ہمیں توبہ کرنی چاہیے تاکہ اللہ پاک کی نظرِ رحمت اگر متوجہ ہو تو ہم اس سے محروم نہ رہ جائیں۔

یک لحظہ زدن غافل ازاں شاہ نباشی
شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

ایک لمحہ اس بادشاہ کی طرف دیکھنے سے غفلت نہیں کرنی چاہیے عین ممکن ہے کہ وہ رحمت سے دیکھ رہا ہو اور ہمیں پتا نہ ہو۔

اگر کسی آدمی میں یہ باتیں ہیں جو میں نے عرض کیں تو اسے غروب آفتاب سے پہلے پہلے توبہ کرنی چاہیے تاکہ وہ رحمتوں والی رات میں کہیں محروم نہ رہ جائے۔

اس کے علاوہ بعض اور گناہگاروں پر بھی نظرِ رحمت نہیں ہوتی۔ پس سب گناہوں سے توبہ کرنی چاہیے۔ سب روایتوں پر نظر ڈالنے سے احقر کی فہمِ ناقص میں یہ آتا ہے کہ کبائرِ دنیا بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے اور صغائر سب اس رات کی برکت سے حق تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔

ہمارے لیے اس رات میں اپنے گناہوں کو معاف کروانے کا ایک بہت بڑا موقع ہے۔ میں آپ کو کیا بتاؤں، اس وقت سیاست بہت زیادہ موضوعِ بحث ہوتی ہے، ہر ایک اسی میں لگا ہوا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بری چیز ہے۔ دعا اس کے لئے بھی کرنی چاہیے کہ اللہ پاک ہمیں اچھے حکمران دے دے لیکن بلاوجہ ان چیزوں پہ گفتگو میں رات ضائع نہیں کرنی چاہیے کہ فلاں ایسا ہے اور فلاں ایسا ہے۔ بھائی ان باتوں کو چھوڑو۔ یہ اللہ سے مانگنے والی رات ہے تو بجائے ان حکمرانوں کی برائیاں کرنے کے اللہ سے یہی مانگو کہ اچھے لوگ دے دے۔ خواہ مخواہ سیاسی گفتگو کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ مثلاً آپ جو باتیں کر رہے ہیں، ان کا کیا وزن ہے؟ سب سے زیادہ باتیں سیاست پر اسلام آباد میں ہوتی ہیں اور جب ووٹ کا وقت آتا ہے تو بہت سارے لوگ اسلام آباد سے اپنے اپنے شہروں میں چلے جاتے ہیں، ووٹ ہی نہیں ڈالتے، اسلام آباد میں بہت کم ووٹ پڑتے ہیں۔ جب فیصلہ کا وقت آتا ہے اُس وقت تو اِدھر اُدھر ہو جاتے ہیں اور بلاوجہ خواہ مخواہ باتیں کرنے کے وقت سب سے آگے ہوتے ہیں۔ خواہ مخواہ بات کرنے سے کیا فائدہ! اس کی ضرورت ہی نہیں ہے، ہاں جب موقع ہو اس وقت ضرور حق کا ساتھ دینا چاہیے۔ سیاست بھی ایک دین کا شعبہ ہے اسے ہم لوگ نظر انداز نہیں کر سکتے۔

ایک دن شیخ الحدیث حضرت مولانا زر وَلی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے، (حضرت، مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے ساتھ تھے، اس مسئلہ میں ہر ایک کی اپنی اپنی affiliation (وابستگی) ہوتی ہے)۔ انہوں نے مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے ایک بیان کے بارے میں کہا جو انہوں نے اسمبلی میں کیا تھا کہ اگر اس بیان کا اجر وہ مجھے دے دیں تو میرے جتنے بھی حدیث کے دروس ہو چکے ہیں میں ان سب کا ثواب انہیں دینے کے لئے تیار ہوں۔

اس لیے میں عرض کرتا ہوں کہ سیاست بھی ایک ضروری شعبہ ہے۔ یہ بات درست نہیں کہ ہم لوگ اسے نظر انداز کریں لیکن ہر وقت کی اپنی بات ہوتی ہے کہ اس وقت کیا کرنا ہے۔ اس کے لئے ہمیں یہ کرنا چاہیے کہ ہم ملکی سلامتی کے لئے دعائیں کریں اور پورے عالم میں بالخصوص اپنے ملک میں دینِ اسلام کے غلبہ کے لئے بات کریں اور یہ دعا مانگیں کہ اس سلسلہ میں ہمیں حق سمجھ میں آ جائے۔ حدیث شریف میں ایک بڑی زبردست دعا ہے:

"اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ"

چونکہ اللہ تعالیٰ کو پتا ہے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے اس لئے ہم یہ دعا کر سکتے ہیں کہ یا اللہ جو حق ہے وہ حق ہم پر کھول دے اور اس کی اتباع کرنے کی توفیق عطا فرما اور جو باطل ہے وہ باطل ہم پر کھول دے اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔ اس رات میں ہم یہ دعا بھی کر سکتے ہیں۔

اس رات میں شب بیداری کا مطلب یہ ہے کہ انسان عبادات میں مشغول رہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے والی ہوتی ہیں اور کچھ بالواسطہ تعلق پیدا کرتی ہیں۔ دین کے تمام شعبے اللہ کے ساتھ بالواسطہ تعلق کا ذریعہ ہیں جیسے میں نے سیاست، خانقاہی سلسلہ، تبلیغی جماعت اور مجاہدین کے کام کی بات کی، یہ سب دینی شعبے اللہ تعالیٰ سے بالواسطہ تعلق کا ذریعہ ہیں۔ اور بلا واسطہ تعلق کا ذریعہ عبادات ہیں، جیسے نماز ہے، فرمایا:

﴿ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ؕ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ﴾ (العنکبوت: ۴۵)

ترجمہ: "بیشک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔ اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے"۔

نماز اللہ سے تعلق کا براہ راست اور بلا واسطہ ذریعہ ہے، صاف بات ہے، قرآن پاک اس پر گواہ ہے۔

اسی طرح روزے کے بارے میں فرمایا:

﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرۃ: ۱۸۳)

ترجمہ: "تاکہ تمھارے اندر تقویٰ پیدا ہو"

روزہ سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ، حج، ذکر، تلاوت اور دعائیں وغیرہ تمام اعمال اللہ پاک سے تعلق کا بلا واسطہ ذریعہ ہیں۔ اگر کسی کا یہ بلا واسطہ تعلق کمزور ہے تو وہ بے شک کسی بھی دینی شعبہ میں ہو اس میں للہیت کم ہو گی، دنیا کا غلبہ ہو گا۔ کیونکہ انسان اپنے نفس سے بھاگ نہیں سکتا، نفس ہمارے ساتھ ہی ہے۔

اب اس بلا واسطہ تعلق کے ذرائع کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت پر غور کریں کہ گیارے مہینے عام رکھے ہیں اور بارھواں مہینہ جو رمضان شریف کا ہے، اسے خاص اسی چیز کے لئے یعنی نفس کی اصلاح کے لئے رکھا ہے۔ اس میں تراویح کی نماز ہے، اس میں روزہ ہے، اس میں ذکر و اذکار ہیں۔ چار چیزیں کثرت کے ساتھ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ فرمایا: روزے میں چار چیزیں کثرت سے کرو، ایک کلمہ طیبہ کا ورد، دوسرا استغفار۔ کلمہ اجر بڑھاتا ہے، استغفار آپ کے گناہ گراتا ہے۔ ایک مثبت کو بڑھانے والا اور دوسرا منفی کو ختم کرنے والا ہے۔ پھر ایک اور مثبت چیز ہے جنت، اس کو کثرت سے مانگو اور ایک منفی چیز ہے جہنم۔ اس سے کثرت سے پناہ مانگو۔

یہ چیزیں اللہ سے تعلق بڑھانے کا بلا واسطہ ذریعہ ہیں۔ اللہ پاک نے رمضان شریف کا مہینہ اس کے لئے رکھ دیا کہ ہم میں للہیت آ جائے، ہمارے نفس کی اصلاح ہو جائے اور پھر ہم جو بھی دین کا کام کریں وہ واقعی دین کا کام ہو، اس میں دنیا نہ ہو۔ لہٰذا آپ شعبان کی پندرھویں رات کو شب بیداری، بجائے سیاسی تقریر کرنے اور سننے کے، ان چیزوں میں لگ کر کریں۔

یہاں پر ایک جماعت کے ساتھی تھے، بڑے اچھے آدمی ہیں، انہوں نے مجھ سے رمضان شریف میں اعتکاف سے چند دن پہلے ایک سوال کیا، کہنے لگے: شبیر صاحب دل چاہتا ہے کہ رمضان میں خدا کے راستے میں وقت لگاؤں اور اعتکاف کا وقت بھی

ہے، تو کیا کروں؟

میں نے کہا: ایسے اوقات میں آپ ﷺ نے کیا کیا تھا؟

اس نے کہا کہ آپ ﷺ نے تو اعتکاف کیا تھا۔

میں نے کہا: آپ کو آپ ﷺ سے بڑا تبلیغی تو کوئی نہیں ملے گا، دین تو آیا ہی ادھر سے ہے، جب آپ ﷺ نے ایسے وقت میں اعتکاف کیا تو آپ کو بھی اعتکاف کرنا چاہیے کیونکہ دین کا جو بھی کام ہے اس میں یہ بات مد نظر رکھنی چاہیے کہ جس کام کا وقت ہو اُس کام کو ترجیح دی جائے۔ تبلیغی جماعت بھی دین کا کام ہے، آپ مدرسہ میں بیٹھے ہوئے ہیں وہ بھی دین کا کام ہے، کوئی خانقاہ میں بیٹھا ہے وہ بھی دین کا کام ہے، کوئی سیاست میں لگا ہوا ہے وہ بھی دین کا کام ہے، کوئی مجاہد جہاد میں لگا ہوا ہے تو وہ بھی دین کا کام ہے۔ البتہ جہاد دو قسم کا ہے ایک وہ جو آپ کی منصوبہ بندی سے ہو اور ایک وہ جو آپ کے اوپر مسلط کیا جائے۔ دوسری قسم کے جہاد میں تو باقی ساری چیزیں ثانوی ہو جائیں گی۔ پھر تو نماز بھی نمازِ خوف بن جائے گی، اس وقت تو ایمرجنسی نافذ ہو جائے گی، وہ بات الگ ہے، لیکن عام طور پر دین کے کاموں میں یہ ضابطہ ہوتا ہے کہ اعتکاف کے وقت اعتکاف، نماز کے وقت نماز، روزہ کے وقت روزہ ہو۔ یہ ساری چیزیں اپنے اپنے اس وقت پہ جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مخصوص رکھے ہیں، کرنی چاہئیں۔

اس وجہ سے میں عرض کروں گا کہ یہ رات اللہ پاک کے ساتھ تعلق جوڑنے کی رات ہے اور شیطان و نفس سے تعلق توڑنے کی رات ہے۔ بس آپ اس کو یہی سمجھیں، اس پہ جتنی محنت ہو سکتی ہے وہ کریں۔ وہ محنت یہی ہو گی کہ ہم لوگ دعائیں کریں، ذکر کریں، تلاوت کریں، روئیں، گڑگڑائیں، نفلی نماز پڑھیں، یہ ساری رات ان اعمال میں استعمال ہو تو ان شاء اللہ العزیز اس سے آپ جو روحانی طاقت حاصل کریں گے وہ تمام دینی کاموں کے لئے استعمال ہو گی۔ ہمارے جتنے بھی اللہ والے تھے انہوں نے ان چیزوں کی قدر کی اور ایسے اوقات میں اپنے آپ کو اللہ سے تعلق بڑھانے کے لئے فارغ کیا۔

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ روزانہ نظام الدین مرکز کے پاس ایک حجرہ

میں عصر کی نماز کے بعد ذکر کیا کرتے تھے، اور اس وقت کسی سے نہیں ملتے تھے، صرف حضرت مولانا عمر پالنپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اجازت ہوتی تھی کہ کوئی ضروری بات ہو تو حضرت کو اطلاع کر دیں اور وہ بھی اندر جا کر نہیں بلکہ باہر سے آواز لگاتے کہ حضرت جی لوگ یہ کہہ رہے ہیں ان کو کیا بتاؤں، حضرت اندر سے جواب دے دیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے اوپر اگرچہ پوری دنیا کا کام کھلا ہوا تھا لیکن پھر بھی اس چیز کو اتنی اہمیت دیتے تھے۔ ہمیں ان چیزوں کے بارے میں جاننا چاہیے کہ یہ چیزیں کتنی اہم ہیں۔ ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ہم اپنے اوقات کو کن چیزوں میں لگائیں۔ اس سلسلہ میں ایک تو یہ عرض کروں گا کہ ان اوقات میں اللہ کی طرف لگ جاؤ اور یہ خلوت میں زیادہ بہتر ہوتا ہے، لیکن بعض دفعہ حالات ایسے ہوتے ہیں کہ خلوت میسر نہیں ہوتی مثلاً گھر میں بچے ہوتے ہیں اور دوسرے کام ہوتے ہیں، اس وقت آپ اللہ کی طرف لگنا بھی چاہیں تو مشکل ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں اگر آپ کے پاس کوئی گوشہ تنہائی ہے تو ٹھیک ہے، اگر نہیں ہے تو مسجد میں چلے جایا کریں۔ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی بات پہ عمل کیا کریں۔ حضرت فرماتے تھے کہ میں جب گشت کے لئے جاتا ہوں تو صلحاء کی جماعت کو ساتھ لے جاتا ہوں۔ اس کے باوجود میرے دل پہ اثر ہو جاتا ہے، پھر میں رائے پور یا سہارنپور کی خانقاہ میں جاتا ہوں، یا پھر مسجد میں اعتکاف کرتا ہوں۔

لہٰذا اگر کوئی گوشۂ تنہائی میسر نہ ہو تو مسجد میں جاؤ یا کسی ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں صحبتِ صالحین ہو۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ صحبتِ سوء سے خلوت اچھی ہے اور صحبتِ صالحین خلوت سے اچھی ہے۔ اگر آج کل کے mathematics (ریاضی) کی زبان سے کہہ دوں تو یوں کہوں گا:

Zero is greater than minus and plus is greater than zero

اگر آپ کو صحبتِ صالحین گھر میں نہیں مل رہی تو پھر خلوت میں جائیں، خلوت نہیں مل رہی یا یوں کہہ لیں کہ کہیں اور صحبتِ صالحین مل رہی ہے تو وہاں چلے جائیں۔ یہ بات بہت اہم ہے۔ یہ ایک قسم کی ہجرت ہے کہ آپ اللہ کے لئے ایک جگہ چھوڑ

کر دوسری جگہ جا رہے ہیں صرف اس لئے کہ میں یہ کام کر سکوں، مجھے سعادت مل جائے۔ باقی یہ بات عرض کرتا ہوں کہ اردو میں کہتے ہیں خربوزہ خربوزہ کو دیکھ کے رنگ پکڑتا ہے۔ ماحول کے اثر سے انسان کسی طرح بچ نہیں سکتا۔ برے ماحول میں جا کر انسان خراب ہو جاتا ہے اور اچھے ماحول میں جا کر کچھ نہ کچھ کرنے کو مل جاتا ہے، اصلاح کا ذریعہ بن جاتا ہے، صحبتِ صالحین میں آدمی کو کچھ نہ کچھ ضرور مل جاتا ہے۔ خصوصی طور پہ شعبان کی رات میں صحبتِ صالحین کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ رات کے وقت جاگنے کا معمول نہ ہو تو نیند آتی ہے، لیکن اگر آپ دوسروں کو دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں، کچھ تلاوت کر رہے ہیں، کچھ ذکر کر رہے ہیں، تو انہیں دیکھ کر آپ میں بھی کچھ نہ کچھ حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے اور اعمال نسبتاً آسانی سے ہو جاتے ہیں۔

بہرحال میں یہ عرض کروں گا کہ آپ لوگ بھی اس کے لئے کچھ راستے بنائیں۔ ہماری کوشش بھی یہی ہوتی ہے کہ ہم بھی اپنا انتظام اس طرح کر لیتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو جائے۔ پہلے ہم مرحبا مسجد میں جایا کرتے تھے لیکن جو حضرات یہاں آنا چاہیں بے شک آ جائیں لیکن پہلے سے بتا کے آئیں تاکہ سحری کا انتظام ہو سکے، پہلے سے پتا ہو گا تو انتظام آسان ہو گا۔ پشتو میں کہتے ہیں:

"سل رابللے ځا یږی خو یو نابللے نه ځا یږی"

یعنی سو بلائے ہوؤں کا انتظام آسان ہے ۔لیکن ایک بن بلائے کا انتظام مشکل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا انتظامی لحاظ سے یہ بات ہے کہ جس نے آنا ہو وہ عبید صاحب کو پہلے سے بتا دیں تاکہ ان کے لئے کچھ انتظام کیا جا سکے کیونکہ اگلے دن ان شاء اللہ لوگ روزہ رکھیں گے، بعض لوگ دور سے آتے ہیں، ان کے لئے انتظام کرنا پڑے گا۔ اس لئے جس نے آنا ہو پہلے سے اطلاع کر دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے یہ بہت قیمتی رات ہے۔ بہت ساری باتیں تو میں شاید عرض بھی نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بلا وجہ بات کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی کچھ مسائل پیدا ہو جاتے ہیں لیکن جتنا ہم نے دیکھا اور سنا ہے اس کے مطابق اس رات کا تعلق تکوینیات سے ہے، اس

رات میں رزق اتارے جاتے ہیں، جن لوگوں نے پیدا ہونا ہے ان کے نام دیئے جاتے ہیں، جنہوں نے اٹھنا ہے ان کے بھی نام دیئے جاتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے کہا کہ اس رات میں جس نے فوت ہونا ہوتا ہے اس کے نام کا پتا گر جاتا ہے۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس آدمی کا کیا حال ہو گا جس نے اپنا پتا خود گرتے ہوئے دیکھا ہو۔ اور اسی سال حضرت فوت ہو گئے۔

اس وجہ سے ایسے وقت میں اللہ کی طرف توجہ کرنا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾ (الروم: ۴۱)

ترجمہ: "لوگوں نے اپنے ہاتھوں جو کمائی کی، اس کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد پھیلا"۔

یہ عام قانون ہے۔ قرآن پاک نے بتایا ہے کہ لوگوں کے اعمال کی وجہ سے فیصلے اترتے ہیں، اگر لوگوں کے اعمال برے ہوں تو برے اور سخت فیصلے اترتے ہیں اور اگر لوگوں کے اعمال اچھے ہوں تو اچھے اور نرم فیصلے اترتے ہیں۔ اب یہ آپ پر منحصر ہے، جتنی کوشش آپ کر سکتے ہیں اتنی تو لازمی کریں، اس کا آپ کے اوپر بھی اثر پڑے گا اور پورے ملک بلکہ پورے عالمِ اسلام اور پوری دنیا پر اثر پڑے گا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اللہ والے اور نیک لوگوں کے لئے مچھلیاں دریاؤں میں اور چیونٹیاں بلوں میں دعائیں کرتی ہیں کیونکہ اہل اللہ کی برکت سے ان مخلوقات کے بھی مزے ہوتے ہیں، بارشیں وقت پہ ہونا اور دوسرے تمام فوائد انہی کی برکت سے ہوتے ہیں۔ لہذا ہم لوگوں کو ان راتوں میں اللہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور اللہ پاک کا خوب ذکر کرنا چاہیے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ استغفار کثرت سے کرنا چاہیے، اللہ کو بہت یاد کرنا چاہیے تاکہ اللہ پاک ہم سے راضی ہو جائے۔ یہ رات سال میں ایک دفعہ آتی ہے، اگر اس مرتبہ یوں ہی گزر گئی تو پھر اگلے سال ہی آئے گی۔ اس وجہ سے اس میں ہم جتنا کما سکتے ہیں کما لیں۔

ایک مرتبہ ہم حضرت حلیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی طرف گئے۔ وہاں شب برات کے متعلق بات چھڑ گئی۔ حضرت ذرا قانونی انداز میں بات کرتے تھے۔ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی بات چھیڑی، فرمایا: یہ رات بہت اونچی رات ہے اس میں یہ دعا بھی کرنی چاہیے کہ اے اللہ اگر تو نے مجھے بد بخت لکھا ہے تو تُو اس کو مٹا سکتا ہے، مجھے نیک بخت لکھ دے۔ (یہ دعا آخر میں ذکر کی گئی ہے)

اس لئے یہ دعا بھی کر لیا کریں۔ ابھی سید نفیس شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے نصف شعبان کے معمولات کے بارے میں ایک پرچہ آیا ہے، جس کو ابھی ہم تقسیم کریں گے۔ اس میں لکھا ہے کہ ہمیں حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد صاحب کی طرف سے ایک معمول ہمارے بزرگوں سے ملا ہے اور میں اس کی اجازت دیتا ہوں کہ جو بھی اس کو کرنا چاہے کر سکتا ہے، اس پرچہ میں بھی بعینہ اسی دعا کا ذکر ہے۔

ہم کچھ معمولات بتا دیں گے۔ ضروری نہیں کہ لوگ صرف یہی معمولات کریں، (دوسرے معمولات بھی کر سکتے ہیں) یہ صرف ایک تجویز ہے۔ ہم نے بزرگوں کو یہ معمولات کرتے دیکھا ہے اس لئے آپ کو بھی تجویز دے رہے ہیں کہ آپ بھی یہ معمولات کر لیں، اس کا مقصد یہ ہے کہ آدمی نیک اعمال میں مصروف ہو۔ باقی اس کو اپنے اپنے ذوق کے مطابق تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے بزرگوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ مختلف اعمال کا گلدستہ بناتے تھے تاکہ ہر عمل کا فائدہ مل جائے۔ جیسے عشاء کی نماز کے بعد ایک مرتبہ سورۃ الملک کی تلاوت، چار رکعت نماز نفل، آدھا پارہ قرآن پاک کی تلاوت، پانچ سو مرتبہ کلمہ طیبہ، پانچ سو مرتبہ درود شریف، پانچ سو مرتبہ استغفار، ایک دفعہ چہل حدیث شریف اور ایک منزل مناجات مقبول۔ یہ معمولات باری باری دہراتے رہیں، سحری تک یہی معمولات جاری رکھیں، ایک دفعہ صلوٰۃ التسبیح بھی پڑھ لیں۔ صلوٰۃ التسبیح کے دو طریقے ہیں۔ جو طریقہ احناف کے قریب ہے وہ ہم نے بتایا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ ثناء کے بعد اور سورۂ فاتحہ سے پہلے پندرہ دفعہ یہ تسبیح پڑھ لیں "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ" پھر سورۂ فاتحہ اور سورت کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے دس دفعہ یہی تسبیح پڑھیں، پھر رکوع میں "سُبْحَانَ رَبِّیَ

الْعَظِیْم" کے بعد دس دفعہ پڑھیں، پھر "**سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ**" کے بعد دس دفعہ پڑھیں۔ پھر پہلے سجدہ میں "**سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی**" کے بعد دس دفعہ پڑھیں اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھ کر دس دفعہ پڑھیں، پھر دوسرے سجدہ میں "**سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی**" کے بعد دس دفعہ پڑھیں۔ دوسری رکعت میں ثناء تو نہیں ہے لہٰذا سورۂ فاتحہ سے پہلے یہی تسبیح پڑھ لیں۔ اس طرح ہر رکعت میں دہراتے جائیں۔ ایک رکعت میں 75 دفعہ اور چار رکعت میں 360 دفعہ ہو جاتی ہے۔ اس طریقے سے ہمیں صلوٰۃ التسبیح بھی پڑھنی چاہیے۔ صلوٰۃ التسبیح بہت اعلیٰ نماز ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سکھائی تھی۔ دو چیزیں چلی آ رہی ہیں۔ ایک حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی برکت سے **صلوٰۃ التسبیح** چلی آ رہی ہے اور دوسری حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برکت سے تسبیح فاطمی چلی آ رہی ہے۔ یہ ان کو عطا ہوئی تھیں اور ان کے لئے صدقہ جاریہ بن گئیں۔ ہم بھی الحمد للہ روزانہ ہر نماز کے بعد تسبیحاتِ فاطمی پڑھتے ہیں۔

حضرت سید نفیس شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے جو دعا آئی ہیں وہ درج ذیل ہے:

"اَللّٰھُمَّ یَا ذَا الْمَنِّ، وَلَا یُمَنُّ عَلَیْكَ، یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ، یَا ذَا الطَّوْلِ وَ الْاِنْعَامِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، ظَهْرُ اللَّاجِیْنَ، وَجَارُ الْمُسْتَجِیْرِیْنَ، وَ اَمَانُ الْخَائِفِیْنَ، اَللّٰھُمَّ اِنْ كُنْتَ كَتَبْتَنِیْ عِنْدَكَ فِیْ اُمِّ الْكِتٰبِ شَقِیًّا اَوْ مَحْرُوْمًا اَوْ مَطْرُوْدًا اَوْ مُقْتَرًا عَلَیَّ فِی الرِّزْقِ فَامْحُ۔ اَللّٰھُمَّ شَقَاوَتِیْ وَحِرْمَانِیْ وَطَرْدِیْ وَاقْتَارَ رِزْقِیْ وَاَثْبِتْنِیْ عِنْدَكَ فِیْ اُمِّ الْكِتَابِ سَعِیْدًا مَّرْزُوْقًا مُّوَفَّقًا لِّلْخَیْرَاتِ فَاِنَّكَ قُلْتَ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ فِیْ كِتَابِكَ الْمُنَزَّلِ عَلٰی لِسَانِ نَبِیِّكَ الْمُرْسَلِ یَمْحُو اللّٰهُ مَا یَشَاءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتَابِ اِلٰهِیْ بِالتَّجَلِّی الْاَعْظَمِ فِیْ لَیْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ الْمُكَرَّمِ الَّتِیْ یُفْرَقُ فِیْهَا كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ وَیُبْرَمُ اَنْ تَكْشِفَ عَنَّا مِنَ الْبَلَاءِ مَا نَعْلَمُ وَمَا لَا نَعْلَمُ وَمَا اَنْتَ بِهٖ اَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ"

ترجمہ:

" اے اللہ اے احسان فرمانے والے تجھ پر احسان نہیں کیا جاتا۔ اے عزت اور بزرگی والے اے قدرت و انعام والے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پناہ لینے والوں اور امان طلب کرنے والوں اور ڈرے ہوؤں کی پناہ ہے اے اللہ اگر تو نے کتاب تقدیر میں میرا بد بخت ہونا یا نامراد ہونا یا میرا رزق تنگ ہونا لکھا ہے تو اے اللہ اپنے فضل سے میری بد بختی اور میری محرومی اور میری نامرادی اور میرے رزق کی تنگی کے فیصلہ کو مٹا دے (یہ ساری تکوینی باتیں ہیں) اور اپنی کتاب میں میرے نیک بخت ہونے، کشادہ رزق ہونے اور نیکیوں کی توفیق پانے کا فیصلہ لکھ دے کیونکہ تو نے اپنے بھیجے ہوئے نبی ﷺ پر نازل کردہ کتاب میں فرمایا اور تو نے سچ ہی فرمایا کہ "اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے لکھ دیتا ہے اور اسی کے پاس کتابِ تقدیر ہے" اے اللہ تجھ سے اس تجلی کے واسطے سے سوال کرتا ہوں جو شعبان کی پندرھویں رات، جس میں ہر ایک معاملہ کا فیصلہ کیا جاتا ہے، نازل ہوتی ہے تو ہم سے ہر مصیبت ٹال دے جو ہم جانتے ہیں اور جو ہم نہیں جانتے اور جس کو تو زیادہ جانتا ہے بے شک تو عزت و بزرگی والا ہے۔"

یہ تکوینی کاموں کی رات ہے۔ ان تکوینی کاموں میں اپنے بارے میں اللہ پاک سے بہتر یعنی ایسا فیصلہ جو ہمارے لئے زیادہ فائدہ مند ہو، وہ کروانے کے لئے ہم اچھے اعمال کرتے ہیں۔

تکوینی چیزیں عام نہیں ہوتیں، یہ چھپی ہوتی ہیں۔ اللہ پاک کا ایک نظام ہے اس کی ایک حکمت ہے، اللہ پاک اس حکمت کو چھپاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ جس چیز کو اللہ نے مبہم رکھا ہے تم بھی مبہم رکھو۔ یہ پورا ایک نیٹ ورک ہے، نظام ہے۔ جو اس نظام میں شامل ہیں ان کو تو پوری طرح پتا ہے، ان کو تو علم ہی ہوتا ہے لیکن جن کو پتا نہیں ان کو پتا کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، کیونکہ ان سے اس کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا اور اگر ان کو پتا چل جائے تو اس سے ان کو کوئی فائدہ بھی نہیں ہو گا صرف علم کی حد تک بات ہو گی، باقی اس میں عملی طور پر آنکھیں بند

کر کے مان لینا بہتر ہے، ایمان بالغیب کے ساتھ اعمال کرنا بہت بہتر ہے۔

باقی اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ فیصلے ہوتے ہیں۔ یہ تو قرآن کی آیت سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے جو چاہتا ہے لکھ دیتا ہے۔

ہمارے شیخ حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کچھ حضرات کی بات کی گئی کہ وہ اس قسم کی (تکوینی) باتیں بتاتے ہیں۔ فرمایا: اس طرح باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد فرمایا: لیکن ہے تو ایسا ہی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی باتیں عوام میں نہیں کرنی چاہئیں، لیکن یہ حق ہوتی ہیں۔ یہ اللہ پاک کا اپنا ایک نظام ہے وہ اس کو چلاتے ہیں، ہم اس میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے۔ اس کے لئے فرشتے مقرر ہیں۔ کچھ کام فرشتوں سے لیے جاتے ہیں، کچھ جنات سے لیے جاتے ہیں اور کچھ کام انسانوں سے لیے جاتے ہیں۔ انسانوں میں بھی اس قسم کے لوگ موجود ہوتے ہیں جن میں بعض ابدال ہوتے ہیں بعض قطب ہوتے ہیں، بعض اور حضرات ہوتے ہیں۔ ان کا اپنا نظام ہے، ہم لوگوں کو اس کی رِیس نہیں کرنی چاہیے کہ کون کیا ہے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ بہت سارے لوگوں کو معلومات تو بہت ہوتی ہیں لیکن عمل کی توفیق نہیں ہوتی۔ اس کے مقابلہ میں کئی دوسرے لوگ ایسے ہیں جنہیں کچھ پتا نہیں ہوتا لیکن وہ عمل ایسا کر رہے ہوتے ہیں کہ سبحان اللہ بہت کما رہے ہوتے ہیں۔

ہمیں چاہیے کہ علماء کرام سے پوچھ پوچھ کے عمل کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہیں اور مانگنے کا طریقہ بتا دیا ہے، بس ہمارے لیے یہی کافی ہے۔ ان شاء اللہ اس رات کو کمانا ہے، اللہ تعالیٰ مجھے بھی توفیق عطا فرمائے آپ کو بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

تعلیمات مجددیہ رحمۃ اللہ علیہ

صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کے طریقے پر چلنے سے مقصود یہ ہے کہ معتقداتِ شرعیہ کا جو کہ ایمان کی حقیقت ہیں زیادہ یقین حاصل ہو جائے اور احکامِ فقہیّہ کے ادا کرنے میں آسانی میسر ہو جائے اس کے علاوہ اور کوئی امر مقصود نہیں ہے۔

تشریح:

یہ بات عقائد کے ذیل میں پہلے بھی آ چکی ہے۔ اب چونکہ اس کا دوسرا حصہ آ رہا ہے اس میں بھی اس کا آنا ضروری تھا۔

معتقداتِ شرعیہ پر یقین آنا پہلے نمبر پر ہے اس لیے ان کا پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ ہمیں اہل سنت و الجماعت کے عقائد میں کمالِ استقامت کے ساتھ شرع کے مطابق کام کرنے کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ہر وقت کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ اس سلسلے میں حضرت کی تعلیمات سامنے لائی جائیں گی۔ ان شاء اللہ۔

یہ ایک فطری بات ہے کہ ہمارے سامنے کیا ہونا چاہیے۔ ہم نے کام کرنا ہے، اعمال صالحہ کرنے ہیں۔ اس کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اعمال صالحہ کیا ہیں؟ کس طریقہ سے کرنے ہیں؟ اس سلسلے میں اللہ جل شانہ نے قرآن پاک میں وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: ۲۱)

ترجمہ: "حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے"

الحمد للہ! ہم نے اس مقصد کے لیے صبح کے وقت، فجر کی نماز کے متصل سوال و جواب کی صورت میں، سیرت سے اپنے مسائل اخذ کرنے کے نظام پر بیانات کا سلسلہ

شروع کیا ہوا ہے جو الحمد للہ روزانہ کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی سنت کے ساتھ بے انتہا محبت تھی۔ ہر صاحبِ دل کو سنت کے ساتھ محبت ہوتی ہے۔ جتنے بھی مجددین آئے ہیں انہوں نے اس پر زیادہ زور دیا ہے تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس پر کیوں زور نہ دیتے۔

سنت کے ساتھ محبت:

مکتوب نمبر 37 دفتر اول میں حضرت ارشاد فرماتے ہیں۔

متن:

یہ فقیر اپنے موجودہ حال کی نسبت لکھتا ہے کہ بہت عرصے تک علوم و معارف اور احوال و مواجید ماہِ نیساں کے بادل کی طرح بکثرت و لگا تار وارد ہوتے رہے اور جو کام کہ کرنا چاہیے تھا حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی عنایت سے ہو گیا۔ اور اب اس کے سوا اور کوئی آرزو باقی نہیں رہی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے کوئی سنت زندہ کی جائے اور احوال و مواجید اہلِ ذوق کے سپرد رہیں۔

آپ کو چاہیے کہ (اپنے) باطن کو (اپنے سلسلہ کے) خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی نسبت سے معمور رکھتے ہوئے (اپنے) ظاہر کو ظاہری سنتوں کی پیروی سے پوری طرح آراستہ و مزین بنائیں۔ ع

کار این ست غیرِ ایں ہمہ ہیچ

(ترجمہ: کام ہے اصلی یہی باقی تو سب کچھ ہیچ ہے)

تشریح:

اس سے پتا چلا کہ حضرت کس بات پر زیادہ زور دے رہے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے اس پر زور دیا ہے کہ عقائد صحیح ہوں۔ دوسرا یہ کہ اعمال شریعت کے مطابق ہوں۔ تیسرے یہ کہ سنت سے سرِ مو انحراف نہ ہو اور متروک

سنتوں کو جلد از جلد زندہ کیا جائے۔

افسوس ہے کہ حضرت کے اونچے اونچے معارف کی باتیں تو ممبروں سے سننے میں آتی ہیں، لیکن ان بنیادی باتوں کا تذکرہ نہیں ہوتا اور اگر کوئی کرتا ہے تو اس کو بزرگوں کی باتوں کے محاکے کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ معارف ہر شخص کے اپنے اپنے ہوتے ہیں، لیکن شریعت سب کی ایک ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ سالک جس قدر شریعت پر عمل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر اس کی استعداد کے مطابق خود معارف کھولتے رہتے ہیں۔ پس معرفت کا دروازہ تو یہی ہے۔ اگر اس کو بند کیا جائے تو دوسروں کے معارف محض تقلیداً تو سمجھے گا، تحقیقاً ان تک رسائی نہیں ہو سکے گی۔ لیکن اگر اس دروازے سے داخل ہو گا تو اس کو تحقیقاً معارف تک بقدرِ استعداد رسائی دلوائی جائے گی۔ جیسے "مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ" میں اسی طرف اشارہ ہے کہ اپنے نفس کو جتنا جتنا کوئی قابو کرے گا، اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کو اسی قدر نصیب ہو گی۔

یہ بہت اہم بات ہے۔ اللہ کرے کہ ہمیں سمجھ میں آ جائے۔ آج اس کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ جو آپ کو اونچی اونچی باتوں کی طرف لاتے ہیں، وہ آپ کو اعمال سے محروم کرتے ہیں اور جو آپ کو چھوٹی چھوٹی باتیں سکھاتے ہیں، وہ آپ کو اعمال کے اوپر لے آتے ہیں۔

بالکل یہی بات ہے۔ اگر میں بچوں کو وہ کام سکھانا شروع کر دوں جو بڑوں کے کرنے کے ہوتے ہیں، تو نہ وہ بڑوں کے کام کر سکیں گے نہ اپنے بچپن کے کام کر سکیں گے، وہ کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔ لیکن اگر میں ان کی اوقات کے مطابق، ان کے حالات کے مطابق ان کو تعلیم دوں تو آہستہ آہستہ وہ اپنے وقت کی باتیں سیکھ لیں گے پھر اس کے بعد آہستہ آہستہ اپنی عمر کے لحاظ سے مزید باتیں سیکھیں گے اور ایک وقت آئے گا کہ یہ بچے بڑے ہو کر اچھے اچھے کام کریں گے۔

اسی طرح طریقت کے کام میں بھی یہی ترتیب ہے کہ اگر شیخ مرید کو اس وقت کے حال کے مطابق سمجھا دے تو وقت وقت کے ساتھ وہ مزید سیکھتا جائے گا۔ مثلاً ایک آدمی ابھی مبتدی ہے، اگر آپ اس کو منتہی کے حالات بتائیں تو اسے کوئی فائدہ

نہیں ہو گا کیونکہ وہ اس کو سمجھ ہی نہیں آئیں گے۔ دو باتیں ہو سکتی ہیں یا تو وہ ان حالات کو اپنانے کی کوشش کرے گا یا پھر اپنے آپ کو اس قابل ہی نہیں سمجھے گا۔ پہلی صورت میں یہ آدمی ان حالات کو نہیں اپنا سکے گا کیونکہ یہ مبتدی اور وہ منتہی کے کام ہیں، لہذا یہ فیل ہو جائے گا اور بد دل ہو جائے۔ دوسری صورت میں چونکہ اپنے آپ کو اس قابل ہی نہیں سمجھے گا اس لئے کچھ کرے گا ہی نہیں۔ دونوں صورتوں میں اعمال سے ہٹ جائے گا۔

لہٰذا یہ بات بہت اہم ہے کہ جس وقت جس کام کی ضرورت ہو اسی میں توجہ اور قوت صرف کی جائے۔ اس سے متعلق جو بنیادی باتوں کے بارے میں تفصیل آگے آئے گی۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو باتیں کی ہیں، ہمیں ان سے فائدہ حاصل کرنا ہے۔

بدعت کے ساتھ نفرت:

یہ بات جاننا بہت اہم ہے کہ سنت کے مقابلے میں بدعت ہوتی ہے اس لیے سنت کے ساتھ محبت کا لازمی نتیجہ بدعت سے نفرت ہے۔ نقشبندی سلسلے میں سنت کے ساتھ بقدرِ عزیمت تمسک ضروری ہے۔ یہی اس سلسلے کا اصل مجاہدہ ہے۔ جس سے وصول بہت جلد ہو جاتا ہے۔ اس لیے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے سنت کے احیاء اور بدعت سے نفرت پر بہت زور دیا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ نقشبندی سلسلے میں مجاہدہ نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ نقشبندی سلسلے میں بہت بڑا مجاہدہ ہے اور وہ یہ کہ عزیمت کے ساتھ سنت پر عمل ہو۔ یہ وہ مجاہدہ ہے جو ہر ایک نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی یہ مجاہدہ بھی نہیں کرتا اور معروف مجاہدات کو اپنے قابل نہیں سمجھتا کہ یہ ہمارے ہاں ہیں ہی نہیں تو وہ بالکل ہی کورا رہ جائے گا کچھ بھی حاصل نہیں کر سکے گا۔ اس کے مقابلے میں وہ لوگ جو دوسرے مجاہدے کرتے ہیں، وہ کم از کم کچھ تو حاصل کر لیں گے پھر آہستہ آہستہ سنت کے مجاہدے پر بھی آ جائیں گے۔ ہمارے نقشبندی سلسلے کا طریقہ یہی ہے کہ سنت کے ساتھ بقدرِ عزیمت تمسک کرنا ہے۔ یہی ہمارا اصل مجاہدہ ہے۔

مکتوب نمبر 54، دفتر دوم میں ارشاد فرماتے ہیں۔

متن:

سعادت مند وہ شخص ہے جو اس غربت کے زمانے میں ترک شدہ سنتوں میں سے کسی سنت کو زندہ کرے اور مروجہ و معمولہ بدعتوں میں سے کسی بدعت کو ختم کر دے۔ یہ وہ وقت ہے کہ حضرت خیر البشر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کو ہزار سال گزر چکے ہیں اور قیامت کی علامتوں نے پَرتو ڈالا ہوا ہے (یعنی علامات قیامت ظاہر ہونا شروع ہو گئی ہیں) اور عہدِ نبوت سے دور ہونے کے باعث سنت پوشیدہ ہو گئی ہے اور کذب و جھوٹ پھیل جانے کی وجہ سے بدعت جلوہ گر ہو رہی ہے، اب ایک ایسے شاہباز جوان مرد کی ضرورت ہے جو سنت کی مدد کرے اور بدعت کو شکست دے۔ بدعت کا جاری کرنا دین کی بربادی کا موجب ہے اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کو مٹانے کا باعث ہے۔ (آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان) آپ نے سنا ہو گا:

"مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ أَعَانَ عَلٰى هَدْمِ الْإِسْلَامِ"

ترجمہ: "جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کو منہدم کرنے میں مدد کی"۔

لہذا پورے ارادے اور کامل ہمت سے اس طرف متوجہ ہونا چاہیے کہ سنتوں میں سے کوئی سنت جاری ہو جائے اور بدعتوں میں سے کوئی بدعت دور ہو جائے۔ ہر زمانے میں اور خصوصاً اس ضعفِ اسلام کے زمانے میں احکامِ اسلام کو قائم کرنا سنت کو رواج دینے اور بدعت کی تخریب کرنے پر وابستہ ہے۔ گذشتہ (زمانے کے) لوگوں نے شاید کسی بدعت میں کوئی حسن دیکھا ہو گا جس کی وجہ سے بعض افرادِ بدعت کو انھوں نے مستحسن قرار دیا ہے۔ لیکن یہ فقیر اس مسئلہ میں ان کے ساتھ موافقت نہیں رکھتا اور بدعت کے کسی مسئلہ کو حسنہ نہیں جانتا بلکہ سوائے ظلمت و کدورت کے اس میں کچھ محسوس نہیں کرتا۔ آنحضرت علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ و السلام نے فرمایا:

"كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ"

(ہر بدعت گمراہی ہے)۔

اسلام کے اس غربت و ضعف کے زمانے میں جبکہ سلامتی سنت کے بجا لانے پر

موقوف ہے اور خرابی بدعت کے ارتکاب میں ہے خواہ کوئی بھی بدعت ہو، ہر بدعت کو پھاوڑے کی طرح جاننا ہے جو بنیادِ اسلام کو گراتی ہے۔ اور سنت کو اس روشن ستارے کی طرح دیکھتا ہے جو گمراہی کی تاریک رات میں ہدایت کا باعث بنتا ہے۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ علمائے وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کو حسن کہنے کی جرأت نہ کریں اور کسی بدعت پر عمل کرنے کا فتویٰ نہ دیں اگرچہ وہ بدعت ان کی نظروں میں صبح کی سفیدی کی طرح ہی روشن ہو کیونکہ سنت کے ماسویٰ میں شیطان کے مکر و فریب کو بڑا غلبہ و دخل ہوتا ہے۔ گزشتہ زمانے میں جبکہ اسلام قوی تھا اس لیے بدعت کی ظلمات کو برداشت کر سکتا تھا اس وقت شاید نورِ اسلام کی روشنی میں بعض بدعتوں کی ظلمات بعض اشخاص کو نورانی معلوم ہوتی ہوں جس کی وجہ سے ان پر حسنہ کا حکم لگایا ہو، اگرچہ درحقیقت ان میں کسی قسم کا حسن اور نورانیت نہیں تھی۔ مگر اس وقت جبکہ اسلام ضعیف ہے بدعتوں کی ظلمتوں کو برداشت کرنے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ اس وقت متقدمین اور متاخرین کا فتویٰ جاری نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ ہر وقت کے احکام علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ اس وقت پورا عالم ظہورِ بدعت کی کثرت کی وجہ سے بحرِ ظلمات کی طرح نظر آ رہا ہے اور سنت کا نور اپنی غربت و قلت کے باعث اس بحر ظلمانی میں کرمہائے شب افروز (جگنوؤں کی طرح) محسوس ہو رہا ہے اور بدعت کا عمل اس ظلمت میں اور اضافہ کر رہا ہے اور سنت کے نور کو کم کرتا جاتا ہے۔ سنت پر عمل کرنا ظلمت کے کم کرنے اور نورانیت کو زیادہ کرنے کا باعث ہے۔ پس اب اختیار ہے جس کا دل چاہے بدعتوں کی ظلمات کو بڑھائے یا سنت کے نور کو زیادہ کرے اور جس کا دل چاہے وہ شیطان کے گروہ کو بڑھائے اور جس کا دل چاہے اللہ تعالیٰ کی جماعت میں اضافہ کرے۔

﴿اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ (المجادلہ: ۱۹)

(خبردار! بیشک شیطان کا گروہ ہی خسارہ پانے والوں میں ہے)

﴿اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (المجادلہ: ۲۲)

(خبردار! بیشک اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی فلاح و نجات پانے والا ہے)

صوفیائے وقت بھی اگر انصاف سے کام لیں اور اسلام کے ضعف (ضعیف ہونے) اور جھوٹ کے شائع کرنے کو ملاحظہ فرمائیں تو ان کو چاہیے کہ سنت کے خلاف امور میں اپنے پیروں کی تقلید نہ کریں اور اپنے شیوخ کے عمل کا بہانہ بنا کر **امورِ مُخْتَرَعَہ** (خود ساختہ امور) کو اپنی عادت نہ بنائیں۔ سنت کا اتباع یقیناً نجات دینے والا اور خیرات و برکات بخشنے والا ہے اور سنت کے خلاف امور کی تقلید میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔ **وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ** (قاصد کے ذمہ پہنچا دینا ہے)

تشریح:

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وقت کے حالات کے مطابق بات فرمائی ہے، لیکن اس پر عمل کرنا آج بھی ضروری ہے۔

اول تو سنت کی اہمیت سمجھی جائے کہ اس کے ساتھ چمٹنا بہت سعادت کی بات ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو سنتیں متروک ہو چکی ہیں ان کا احیاء بہت عظیم کام ہے، اس کے لیے کوشش کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ یہ بہت اہم بات ہے کہ جو سنتیں متروک ہو چکی ہیں ہم لوگ ان کو دوبارہ زندہ کریں، اس پر بہت زیادہ اجر ہے۔ کیونکہ ایک ترک شدہ سنت کو زندہ کرنے پر سو شہیدوں کا اجر ملتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ جہاں جہاں بدعتیں پھیل گئی ہیں، وہاں بدعتوں کی اتباع نہیں، بلکہ سنتوں کی اتباع کرنی چاہیے۔

یہ بات سمجھ میں آنی چاہیے۔ حضرت نے ایک بہت اہم بات فرمائی ہے۔ شاید اس کی طرف بعض حضرات کا ذہن نہ گیا ہو۔ پہلے وقتوں میں سنت کا نور عیاں تھا، لہذا کوئی ایسی بات جس میں کوئی خوبی تھی، اگر اس پر سنت کی طرح عمل کر لیا جاتا، تو اس پہ سنت کا نور غالب آ جاتا تھا اور اس سے اتنا نقصان نہیں ہوتا تھا۔ لیکن آج کل کے دور میں ایسا نہیں ہے۔ بدعت کی ظلمت اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ اس میں مزید اضافے سے بڑا نقصان ہو سکتا ہے۔ لہٰذا چاہے کسی چیز میں کچھ فائدہ بھی نظر آتا ہو، تب بھی اس میں نقصان زیادہ ہے۔ فقہ کا قانون ہے کہ "دفعِ مضرت، جلبِ منفعت سے زیادہ

اہم ہوتی ہے" اگر کسی چیز میں نقصان کا پہلو بھی ہو اور فائدہ کی بات ہو بھی تو نقصان والے پہلو کو غالب رکھنا چاہیے۔ مثلاً ایک expired دوائی میں دوائی ہونے کے لحاظ سے مفید ہونے کا امکان ہے اور expire ہونے کی وجہ سے نقصان دہ ہونے کا بھی امکان ہے۔ ایسی دوائی کو کوئی نہیں کھاتا، ہر کوئی پھینک دیتا ہے چاہے وہ کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہو، کیونکہ اس کی وجہ سے انسان بیمار ہو سکتا ہے۔ بدعت کے معاملے میں بھی اسی بات کو ذہن میں رکھیں کہ اس وقت بدعت کی کسی قسم کی مدد نہیں کی جا سکتی۔ بدعتوں کو دور کرنا وقت کا بہت اہم کام ہے۔ اِس وقت جو بدعتوں کو دور کرے گا اور سنتوں کا احیاء کرے گا وہ زیادہ اجر کا مستحق ہو گا۔

حضرت نے گویا یہاں پر ہماری رہنمائی فرمائی ہے کہ سنت کی اہمیت کو سمجھنا چاہیے، اس کے ساتھ چمٹنا ضروری ہے۔ جو سنتیں متروک ہو چکی ہیں، ان کا احیاء بہت ضروری ہے۔ یہ سنتیں آسان بھی ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ اگر ایک کام کئی طریقوں سے ہو سکتا تھا تو آپ ﷺ سب سے آسان طریقہ اختیار کر لیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یومِ عرفہ کو آپ ﷺ نے با قاعدہ سب کے سامنے اونٹنی کے اوپر بیٹھ کے دودھ پیا اور لوگوں کو بتایا کہ میرا روزہ نہیں ہے تاکہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔ اگر آج بھی کوئی اسی طرح کرے گا تو اس کو بہت فائدہ ہو گا، کیونکہ سنتوں کا احیاء ہو گا۔

میں نے ایک دفعہ عرفہ کے دن روزہ رکھا تھا، مجھے خیال آگیا کہ پتا نہیں آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے اس دن روزہ رکھا تھا یا نہیں۔ میں نے مفتی ظہیر صاحب کو فون کر کے پوچھا کہ آپ ﷺ نے عرفات کا روزہ رکھا تھا یا نہیں رکھا تھا؟ انہوں نے فرمایا: آپ ﷺ نے عرفات کا روزہ نہیں رکھا تھا۔ بس میں نے فوراً روزہ کھول دیا۔ ہمیں آپ ﷺ کے طریقے پر چلنا چاہیے، ہم اپنی مرضی پہ نہیں چل سکتے۔ ہم لوگوں کو سنتوں پر چلنا نصیب ہونا آسان بھی ہے۔ سنت پر چلنا اس وقت مشکل ہوتا ہے جب بدعت عام ہو چکی ہو۔ ایسے میں معاشرے کے دباؤ کی وجہ سے انسان سنت پر نہیں چل سکتا۔ سنت عمل کے لحاظ سے آسان ہوتی ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسے ہے جیسے کسی ماحول کا عقیدہ خراب ہو جائے تو وہاں پر صحیح عقیدہ مشکل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ عقیدہ کتنا آسان

کام ہے، اس میں تو محنت بھی نہیں ہے، لیکن بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر ماحول میں بدعتیں عام ہوں تو پھر سنت پر عمل مشکل ہو جاتا ہے۔

ایک ہوتا ہے خود سنت پر عمل کرنا، یہ تو آسان ہے، اس لیے کہ یہ آپ کا خود اپنے ساتھ معاملہ ہے۔ دوسرا کام سنت کو فروغ دینا ہے، یہ کام مشکل ہوتا ہے کیونکہ اس میں دوسرے involved (شامل) ہوتے ہیں۔ اس میں بڑی حکمت اور بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے۔

میں اس کی ایک مثال عرض کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے ایک موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا: میرا دل چاہتا ہے کہ میں خانہ کعبہ کو ابراہیم علیہ السلام کی ترتیب پر دوبارہ تعمیر کروں، لیکن تمہاری قوم یہ سمجھے گی کہ میں خانہ کعبہ میں تصرف کر رہا ہوں، اس لیے میں نے یہ ارادہ چھوڑ دیا ہے۔

آپ ﷺ کی بات بالکل صحیح تھی، نیت بھی صحیح تھی اور کام بھی صحیح تھا، لیکن آپ ﷺ نے ماحول کا خیال رکھا۔

تراویح کا بھی یہی معاملہ ہے۔ آپ ﷺ نے جماعت کے ساتھ نماز تراویح خواہش کے باوجود اس وجہ سے نہیں پڑھی کہ کہیں امت پر فرض نہ ہو جائے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کو وقت ہی نہیں ملا کہ وہ اس مسئلہ میں کوئی ترتیب بنائیں کیونکہ ان کا زمانۂ خلافت بہت ہی مشکل دور تھا۔ ان کی زیادہ توجہ بنیادی چیزوں پہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو ان کی نسبت زیادہ وقت ملا تھا۔ وہ چونکہ مزاج شناسِ رسول تھے، انہوں نے اس بات کا ادراک کر لیا کہ آپ ﷺ نماز تراویح جماعت سے پڑھانا چاہتے تھے لیکن اس وجہ سے نہیں پڑھائی کہ کہیں فرض نہ ہو جائے۔ اب تو وحی کا سلسلہ بند ہو چکا ہے، لہٰذا اب جماعت سے پڑھ بھی لی جائے تو تراویح فرض نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا نبی ﷺ کی چاہت پہ عمل کیا جانا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب کو جمع کر کے اس پر عمل در آمد کیا۔ اگر وہ اس وقت ایسا نہ کرتے تو بعد میں کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ اس وقت کرنے کا یہ فائدہ ہو گیا کہ سارے اہل الرائے صحابہ موجود تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی موجودگی میں یہ کام کر دیا، کسی نے انکار نہیں کیا اور اجماع صحابہ

قائم ہو گیا۔ اجماع صحابہ بھی ہمارا ایک اصول ہے، جس سے احکام ثابت ہوتے ہیں لہذا تراویح کی نماز ثابت ہو گئی۔

اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے لغوی طور پر بدعتِ حسنہ کہا، لیکن یہ بدعت ہے ہی نہیں، کیونکہ جس چیز پر اجماع ہو جائے بدعت نہیں ہوا کرتی۔ کیونکہ "كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" کی رو سے ہر بدعت گمراہی ہے۔ لہٰذا اگر اس کو بھی اصطلاحی طور پر بدعتِ حسنہ کہیں گے تو اس کو گمراہی ہونے سے کیسے نکالیں گے۔ الحمد للہ! یہ علم آج ہی اترا ہے۔ گویا اسے اصطلاحی طور پر بدعتِ حسنہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کبھی بھی گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتے۔ جب صحابہ کرام اس پر جمع ہو گئے اور ان میں تین خلفائے راشدین ہیں اور تینوں کا اپنا اپنا نقطہ نظر ہے، تینوں مجتہد حضرات ہیں، جب تینوں نے مان لیا اور باقی سب صحابہ نے بھی مان لیا ہے، تو یہ اجماع صحابہ سے ثابت ہو گیا۔ لہذا اس کو لغوی طور پر بدعت کہا گیا ہے یعنی نئی بات۔ نئی بات سے مراد یہ ہے کہ اب نئے طور پر ان کو جمع کیا گیا ہے۔

مکتوب 19 دفتر دوم میں ارشاد فرماتے ہیں:

متن:

ہماری نصیحت بس یہی ہے کہ احکام دین بجا لائیں اور حضرت سید المرسلین علیہ و علی آلہ و علیہم الصلوۃ والسلام کی متابعت اختیار کریں، سنتِ سنیہ کو بجا لائیں اور بدعتِ نامرضیہ سے پرہیز کریں۔ اگرچہ بدعت صبح کی سفیدی کے مانند روشن ہو لیکن حقیقت میں اس میں کوئی روشنی اور نور نہیں ہے اور نہ ہی کسی بیمار کے لیے اس میں شفا ہے اور نہ ہی کسی مرض کی اس میں دوا ہے۔ اور یہ بات اس میں کیسے ہو سکتی ہے جبکہ بدعت دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو وہ سنت کو دور کرنے والی ہو گی یا رفعِ سنت سے ساکت ہو گی۔ ساکت ہونے کی صورت میں وہ بالضرور سنت پر ایک زائد چیز ہو گی جو در حقیقت اس (سنت) کو منسوخ کرنے والی ہو گی کیونکہ نص پر زیادتی نص کی ناسخ ہوتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ بدعت خواہ کسی قسم کی ہو سنت کو دور کرنے والی اور اس کی نقیض ہوتی ہے اور اس میں کسی قسم کی خیر اور کوئی حُسن نہیں ہے۔ کاش مجھے معلوم ہو

جاتا کہ انھوں نے دینِ کامل اور اسلام پسندیدہ میں جبکہ نعمت مکمل ہو چکی بدعتِ محدثہ کے حَسن ہونے کا حکم کس طرح دیا۔ یہ نہیں جانتے کہ کمالِ دین اور اتمام و رضا کے حاصل ہونے کے بعد دین میں بدعت (کوئی نیا کام) پیدا کرنا حسن سے کوسوں دور ہے:

﴿فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلٰلُ﴾ (یونس: 32)

ترجمہ: (حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے)۔

اگر یہ لوگ (اہلِ بدعت) جانتے کہ دینِ کامل میں امورِ محدثہ (نئے کام) کو حسَن کہنا دین کے کامل نہ ہونے کو لازم آتا ہے اور نعمت کے نا تمام ہونے پر دلالت کرتا ہے تو ہرگز اس قسم کی باتوں کی جرأت نہ کرتے۔

تشریح:

یہ جو باتیں میرے سامنے ہیں اور میں آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں، ان کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی بدعتی ہو اور اپنے آپ کو مجددی کہتا ہو تو بڑے افسوس کی بات ہے۔ بدعتی کبھی بھی مجددی نہیں ہو سکتا۔ عموماً بدعتی اپنے آپ کو حضور ﷺ کے ساتھ محبت کرنے والا سمجھتے ہیں۔ میں اس پر بڑا حیران ہوتا ہوں کہ بدعت تو سنت کو دور کرنے والی چیز ہے جبکہ سنت حضور ﷺ کا طریقہ ہے۔ جو حضور ﷺ کا طریقہ دور کر رہا ہو، وہ کیسے آپ ﷺ کے ساتھ محبت کر سکتا ہے اور جس کو کسی کے ساتھ محبت ہو، اسے اس کے طریقے سے نفرت کیسے ہو سکتی ہے، اس کے طریقے سے دوری کیسے ہو سکتی ہے؟ یہ چیز کم از کم مجھے سمجھ نہیں آتی۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ ایک آدمی جو اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ کے ساتھ محبت کرنے والا بھی سمجھتا ہے وہ بدعات میں کیسے مبتلا ہو سکتا ہے۔ غلطی ہو جانا ایک الگ بات ہے، لیکن بدعت میں غلطی نہیں ہوا کرتی، بدعت قصداً ہوتی ہے، بدعت میں با قاعدہ ثواب سمجھا جاتا ہے، اس کو ضروری سمجھا جاتا ہے، اس کے اوپر لوگ با قاعدہ جِدال اور لڑائیاں تک کرتے ہیں۔ اگر کوئی میلاد النبی کے موقع پر لائٹیں نہ لگوائے تو ان کے ساتھ لڑائیاں کرتے ہیں، ان کو ووٹ نہیں دیتے، ان کے ساتھ تعاون نہیں کرتے، ان کی مخالفت میں نعرے لگاتے ہیں۔ بھلا

یہ آپ ﷺ کے ساتھ کون سی محبت ہے؟ یہ آپ ﷺ کے ساتھ محبت ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر کوئی اپنے آپ کو نقشبندی کہتا ہے، اس کے با وجود مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ان باتوں کی پیروی نہیں کرنا چاہتا تو وہ سچا نقشبندی اور مجددی نہیں ہے۔ اگر کوئی اپنے آپ کو آپ ﷺ کا مُحِب سمجھتا ہے، لیکن آپ ﷺ کی سنتوں کو ترک کر کے سنتوں کے خلاف بدعتوں کو رواج دے رہا ہے تو اس کی محبت سچی نہیں ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے نصیحت فرمائی ہے کہ بدعت چاہے سولہ سنگھار کر کے سامنے آئے، اس کو گمراہی سمجھ کر اس سے اجتناب کیا جائے۔ نیز اگر بدعتِ حسنہ کے نام پر بھی کسی بدعت کو فروغ دیا گیا ہو تو اس کا ازالہ ضروری ہے۔ کیونکہ اس سے سنت کے ترک ہونے کا امکان زیادہ ہے۔ اس میں گویا سنت پر عدمِ اعتماد پایا جاتا ہے کہ دین کی تکمیل میں ابھی شک ہے، اس لیے اس میں نئی چیزوں کی ضرورت سمجھی جاتی ہے۔

متابعتِ رسول ﷺ کے مختلف درجات ہوسکتے ہیں، ان کے بارے میں مکتوب 54 دفتر دوم میں ارشاد فرماتے ہیں۔ (یہ بہت قیمتی مکتوب ہے۔ اس میں ہمارے بہت سارے سوالوں کے جوابات ملتے ہیں۔)

متن:

پہلا درجہ عوام اہل اسلام کے لیے ہے۔

تشریح:

یعنی سنت سے مطابقت والا۔

متن:

یعنی تصدیقِ قلبی کے بعد اطمینانِ نفس سے پہلے جو کہ درجہ ولایت سے وابستہ ہے۔

تشریح:

اطمینانِ نفس کے بارے میں کہا کہ یہ درجہ ولایت سے وابستہ ہے۔

متن:

احکامِ شرعیہ کا بجا لانا اور سنتِ سنیہ کی متابعت ہے۔ اور علمائے ظاہر عابد اور زاہد حضرات جن کا معاملہ ابھی اطمینانِ نفس تک نہیں پہنچا۔

تشریح:

یعنی ان کا نفس مطمئنہ نہ ہو چکا ہو۔

متن:

سب اسی متابعت کے درجہ میں شریک ہیں اور اتباع کی ظاہری صورت کے حاصل کرنے میں سب برابر ہیں۔ اور چونکہ اس مقام میں نفس ابھی کفر و انکار پر ہی اڑا ہوا ہوتا ہے اس لیے یہ درجہ متابعت کی صورت کے ساتھ مخصوص ہو گا۔

تشریح:

یعنی یہ متابعت کی صورت ہے، حقیقت نہیں ہے۔

متن:

متابعت کی یہ صورت، متابعت کی حقیقت کی طرح آخرت کی کامیابی و نجات اور خلاصی کا موجب اور دوزخ کے عذاب سے بچانے والی اور جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری دینے والی ہے۔

تشریح:

یعنی اگر کوئی اس طرح نقل ہی کر لے تب بھی اس کا فائدہ ہے۔ یہ نقل بھی نجات کا ذریعہ بنے گی۔ لیکن ابھی اس کو حقیقت حاصل نہیں ہے۔

متن:

اللہ تعالیٰ نے اپنے کمالِ کرم سے نفس کے انکار کا اعتبار نہ کر کے صرف تصدیق قلبی پر کفایت فرمائی ہے اور نجات کو اس تصدیق پر وابستہ کیا ہے۔

میتوانی کہ دہی اشک مرا حسنِ قبول
اے کہ در ساختہ قطرہ بارانی را

اے کہ جو قطرہ بارش کا بنا دے موتی، میرے آنسو کو بھی دے سکتا ہے وہ حسنِ قبول۔

تشریح:

گویا یہ بات عوام الناس کے لئے ہے۔ عوام الناس سے مراد وہ سب لوگ ہیں جنہوں نے ابھی سیر الی اللہ نہیں کیا۔ بے شک وہ علماء ہی کیوں نہ ہوں۔ ابھی انہوں نے سیر الی اللہ نہیں کیا، گویا نفس کو رام نہیں کیا، نفس کو قابو نہیں کیا۔ جیسے آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ عقل مند وہ ہے جس نے نفس کو قابو کیا اور قرآن پاک میں بھی آتا ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا﴾ (الشمس: ۹)

متن:

متابعت کا دوسرا درجہ آن سرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ و السلام کے ان اقوال و اعمال کی متابعت ہے جو باطن سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً اخلاق کا درست کرنا اور بری عادتوں کا دور کرنا اور باطنی امراض اور اندرونی بیماریوں کا ازالہ کرنا وغیرہ وغیرہ جو مقام ہیں اور اتباع کا یہ درجہ اربابِ سلوک کے ساتھ مخصوص ہے جو طریقہ صوفیہ شیخ مقتدا سے اخذ کر کے سیر الی اللہ کی وادیوں اور جنگلوں کو قطع کرتے ہیں۔

متابعت کا تیسرا درجہ آں سرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ و السلام کے ان احوال و اذواق اور مواجید کی متابعت ہے جو ولایتِ خاصہ کے مقام سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ درجہ ان اربابِ ولایت کے ساتھ مخصوص ہے جو مجذوب سالک یا سالک مجذوب ہوں۔ جب مرتبۂ ولایت اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو نفس بھی مطمئنہ ہو جاتا ہے اور طغیان و سرکشی سے باز آ جاتا ہے اور انکار سے اقرار میں اور کفر سے اسلام میں آ جاتا ہے۔ اس کے بعد جس قدر متابعت میں کوشش کرے گا وہ متابعت کی حقیقت ہو گی۔ اگر نماز ادا

کرے گا تو متابعت کی حقیقت بجا لائے گا اور اگر روزہ ہو گا تو اس کا بھی یہی حال ہے، اور اگر زکوٰۃ ہے تو وہ بھی اسی طریقے پر ہو گی۔ علیٰ ہذا القیاس شریعت کے تمام احکام بجا لانے میں "حقیقتِ متابعت" شاملِ حال ہو جاتی ہے۔

تشریح:

ذرا غور فرمائیں یہ انسان جو بغیر اذواق اور مواجید کی متابعت کے سیر الی اللہ طے کر لیتا ہے، وہ آپ ﷺ کے باطنی اعمال کی پیروی کر لیتا ہے اور اعمال کو حاصل کر لیتا ہے۔ جس نے طریقت اختیار کی ہے اس کو یہ چیز حاصل ہو سکتی ہے۔ آگے جا کر اس ذوق والی بات کو بھی تبدیل کرنا ہے، کیونکہ ذوق کا مقام عقل سے بھی آگے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ذوق کو اختیار کرنا ہے۔ عقل میں تو آپ Point to point analysis (نقطہ در نقطہ تجزیہ) کرتے ہیں۔ ذوق میں کلی طور پر بات لیتے ہیں۔ جیسے ایک ایک چیز کو صاف کرنا اور پوری چیز کو اکٹھے صاف کرنا، دونوں میں فرق ہوتا ہے۔

پہلے میں ذرا ان تین درجوں کا خلاصہ بتاتا ہوں۔ پہلے حضرت کے الفاظ پر تھوڑا سا غور فرما لیں۔ حضرت فرما رہے ہیں کہ:

"تصدیق قلبی کے بعد اطمینانِ نفس سے پہلے جو کہ درجۂ ولایت سے وابستہ ہے"۔

یعنی بغیر اطمینانِ نفس کے ولایت نہیں ہے۔ تصدیقِ قلبی ہو سکتی ہے جو ایمان کا شعبہ ہے، کیونکہ ایمان "اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ" کا نام ہے۔ لیکن اطمینانِ نفس کے لیے کچھ اور کرنا پڑے گا اور اصل ولایت اطمینانِ نفس کے بعد ہے۔

بعض حضرات پرانے بزرگوں کے ملفوظات کی وجہ سے بعض چیزوں میں غلطیوں میں مبتلا ہیں۔ پرانے حضرات چونکہ نفس کی اصلاح کر چکے ہوتے تھے، اور اس وقت جن بعض مقامات ولایتِ کبریٰ اور ولایت صغریٰ کا تذکرہ کرتے تھے، آج کل لوگ بغیر نفس کی اصلاح کے ان چیزوں کو حاصل سمجھتے ہیں۔ ابھی نفس کی اصلاح نہیں ہوئی ہوتی اور ولایت صغریٰ و ولایت کبریٰ تک پہنچ جاتے ہیں۔ نام کی حد تک حاصل کر لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ چیزیں نام کی نہیں ہیں بلکہ کام کی ہیں۔ یعنی یہ خیال نہیں کرتے کہ نفس کا

اطمینان بھی ہے یا نہیں۔ یہ چیز اس کے بعد حاصل ہو سکتی ہے، اس سے پہلے حاصل نہیں ہوتی۔ یہ ولایتِ صغریٰ، ولایتِ کبریٰ، صرف مراقبات سے حاصل نہیں ہوتیں۔ مراقبات کے ذریعہ سے جذب حاصل ہو جاتا ہے البتہ اگر اطمینانِ نفس ہو گیا تو اس کے بعد آپ کو جو مزید مراقبات کرنے ہیں وہ شرعی مراقبات ہیں۔ اللہ پاک نے فرمایا ہے:

﴿وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ (الحشر: ۱۸)

ترجمہ: "اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا آگے بھیجا ہے۔ اور اللہ سے ڈرو۔ اور یقین رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے"۔

یہ بھی مراقبہ ہے۔ ہر قرآن پڑھنے والا یہ آیت پڑھتا ہے۔ ان میں علماء بھی ہوتے ہیں، بلکہ عرب حضرات بھی ہوتے ہیں، جن کے بالکل سامنے قرآن کے معانی موجود ہیں، بلکہ بعض لوگ تو با قاعدہ درس دینے والے ہوتے ہیں۔ لیکن سب کے اوپر قرآن کی اس آیت کا اثر نہیں ہوتا کیونکہ ان کا نفس ابھی فعال ہے۔ نفس اس پہ سوچنے نہیں دے رہا۔

مثلاً ایک شخص کوئی مالی گھپلا کر رہا ہے، اس کو پتا ہے کہ یہ جرم ہے، اس کے باوجود وہ یہ کام کرتا ہے۔ گویا وہ اس آیت سے متاثر نہیں ہو رہا۔ یہ تب متاثر ہو گا جب اطمینانِ نفس حاصل ہو گا۔ اطمینان نفس حاصل کرنے والے کو صرف یہ ایک اطلاع کافی ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کے ساتھ موجود تھے، باہر کسی نے آواز لگائی کہ بفندق (یعنی ایک پیسے) کے بدلے اخیار (ککڑی) لے لو۔ وہ یہ آواز سن کر بے ہوش ہو گئے۔ اخیار کے دو معنی ہیں، ایک معنی خیر والے لوگ اور دوسرا معنی ککڑی۔ ان کا ذہن پہلے معنی کی طرف منتقل ہو گیا انہوں نے سوچا کہ اگر اچھے لوگوں کی قیمت ایک دھیلا ہے، تو ہم جیسے لوگوں کی کیا قیمت ہو گی۔ گویا ان کا ذہن اس طرف چلا گیا، حالانکہ وہ بات نہیں تھی۔ یہی بنیادی بات ہے کہ جو قلب میں رچا بسا ہوتا ہے اس کی ذرا سی بات سے انسان کو تحریک ہو جاتی ہے۔ بہر حال جب کسی کو اطمینانِ نفس نہیں ہوتا، اس وقت تک ان مراقبات سے فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اور ولایت صغریٰ،

ولایت کبری، مراقبات سے حاصل نہیں ہوتیں۔

اللہ پاک نے سورۂ شمس میں زور دے کر فرمایا ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا﴾ (الشمس: ۹-۱۰)

ترجمہ: "فلاح اسے ملے گی جو اسے پاکیزہ بنائے، اور نا مراد وہ ہو گا جو اس کو (گناہ میں) دھنسا دے"

لہذا آپ جتنے مراقبات کریں گے، اگر اطمینانِ نفس نہ ہو، نفس کی اصلاح نہ ہو چکی ہو تو ﴿وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا﴾ سے نہیں بچ سکیں گے۔ آپ کے پاس کوئی اور رستہ نہیں ہے۔ کیونکہ ﴿وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا﴾ کی نصِ قرآنی سے یہ ثابت ہے کہ جب تک نفس کی اصلاح نہیں ہو گی آپ اس تباہی سے بچ ہی نہیں سکتے۔

یہ تین درجے جو بیان ہوئے، سالکین کے اعتبار سے ہیں۔ پہلے درجے میں تصدیقِ قلبی کے ساتھ شریعت کے ظاہر پر عمل ہے۔ دوسرے درجے میں طریقت کے ذریعہ سے شریعت کے باطن پر عمل ہے۔ تیسرے درجے میں نفسِ مطمئنہ کے ساتھ آپ ﷺ کے اذواق و مواجید کی متابعت ہے۔

ایک سالک کو آپ ﷺ کی زیارت ہوئی، وہ آپ ﷺ کے ساتھ مصافحہ کرنا چاہتا تھا لیکن آپ ﷺ نے اپنے منہ مبارک پر پاؤڈر مل کر اشارہ فرمایا کہ اس کو سونگھو۔

اس خواب کی تعبیر یہ بتائی گئی کہ آپ ﷺ کا اشارہ اس طرف ہے کہ میرے ذوق کو اپناؤ۔ یہ تیسرے درجہ والی بات ہے۔

اس وقت تو یہ چیزیں آج کل کے مسائل ہیں۔ اس لیے کہ اصطلاحات وقتی ہوتی ہیں۔ کسی بھی چیز سے لوگ جو چاہیں مطلب لیتے ہیں اور یہ اصطلاحات زمانی بھی ہوتی ہیں، مکانی بھی ہوتی ہیں۔

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک جگہ پہ ایک چیز کا ایک مطلب ہوتا ہے اور دوسری جگہ پہ دوسرا ہوتا ہے۔ کسی زمانے میں ایک مطلب ہوتا ہے اور دوسرے زمانے میں کوئی اور مطلب ہوتا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اصطلاحات تبدیل ہوتی ہیں۔ ہر چیز

ایک حال پہ نہیں رہا کرتی۔

ہمارے گاؤں جہانگیرہ میں ساتھ ساتھ دو دریا بہتے ہیں، ایک دریائے سندھ اور دوسرا دریائے کابل ہے۔ دریائے کابل کے دوسرے کنارے پر ہمارے گاؤں کے بالکل سامنے ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، جس کو نیوے کلے کہتے ہیں۔ نیوے کلے کے لوگوں میں "کمینہ" "خاکسار" کو کہتے ہیں۔ اور ہمارے ہاں اس کا وہی معنی ہے جس معنٰی میں اردو میں "کمینہ" کا لفظ مستعمل ہے۔ ان دو علاقوں میں ایک ہی لفظ کے الگ الگ معنی ہیں۔ درمیان میں صرف دریا ہے۔ اب اِن لوگوں کی کچھ رشتہ داری اُدھر ہے، اور اُن کی کچھ رشتہ داریاں اِدھر بھی ہیں۔ چونکہ گاؤں قریب قریب ہیں اس لئے آپس میں رشتہ داریاں ہیں۔ مجھے ایک صاحب اپنا واقعہ بتا رہے تھے کہ بھائی خان ایک بڑا اچھا آدمی تھا، بڑا مالدار تھا، بہت متواضع اور نیک آدمی تھا۔ ان کا کوئی رشتہ دار اِس گاؤں کا رہائشی تھا، اُس گاؤں کا ایک آدمی ان کے بارے میں کہہ رہا ہے کہ بھائی خان بہت کمینہ ہے۔ کہنے لگا کہ مجھے تو بہت غصہ آگیا کہ اس کو کمینہ کہہ رہا ہے۔ قریب تھا کہ میں اس کو کچھ کہتا۔ لیکن اس نے مزید کہا کہ وہ گاڑی میں آرہے تھے، انہوں نے میرے لیے گاڑی روکی، مجھے اپنے ساتھ سیٹ پر بٹھا لیا، بڑی اچھی باتیں کیں، بڑا کمینہ آدمی ہے۔ اس سیاق و سباق سے میں سمجھ گیا کہ یہ "کمینہ" خاکسار کو کہہ رہا ہے۔

یہ اصطلاح کی تبدیلی مکان کے لحاظ سے ہوئی۔ زمان کے لحاظ سے تبدیلی کا مطلب یہ ہے کہ کچھ چیزوں سے پہلے ایک مطلب مراد لیا جاتا تھا اور اب دوسرا مطلب مراد لیا جانے لگے۔ لا محالہ اس کو بدلنے کی ضرورت ہو گی۔

جیسے وحدت الوجود کی اصطلاح ہے۔ اس نام کی وجہ سے لوگ گمراہ ہو رہے تھے اس لئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا نام تبدیل کر کے وحدت الشہود رکھ دیا۔ وحدت الوجود تمام سلسلوں میں پہلے سے موجود تھا، اس کو وحدت الوجود بدون سکر اور وحدت الوجود بالسکر کہتے تھے۔ جس کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ وحدت الشہود کہتے ہیں، اس کو وحدت الوجود بدون سکر کہتے تھے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں موجود ہے، دوسری کتابوں میں بھی موجود ہے، وحدت الوجود بدون سکر

اور وحدت الوجود بالسکر وہ ہے جسے عمومی طور پر وحدت الوجود کہا جاتا ہے۔

آگے حضرت نے ایک سوال قائم کر کے خود اس کا جواب دیا ہے۔

متن:

سوال: نماز و روزہ کی حقیقت کے کیا معنی ہیں؟ کیونکہ نماز و روزہ مخصوص افعال ہیں اگر ان افعال کو (شارع علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق) ادا کیا جائے تو ان کی حقیقت ادا ہو جائے گی، اس کی صورت کیا ہے اور اس سے زیادہ حقیقت کیا ہے؟

جواب: مبتدی کا نفس چونکہ امارہ ہے لہذا بالذات آسمانی احکام کا منکر ہے اور اس سے احکام شرعیہ کی بجا آوری ظاہری صورت کے اعتبار سے ہے۔ (یہ سالکین میں پہلا درجہ ہے) اور منتہی کا نفس چونکہ مطمئنہ ہو گیا ہے اور اس میں احکام شرعیہ کے قبول کرنے کی رضا و رغبت پیدا ہو گئی ہے لہذا اس سے احکام کی بجا آوری حقیقت کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ مثلاً منافق اور مسلمان دونوں نماز ادا کرتے ہیں۔ لیکن منافق چونکہ باطن میں انکار رکھتا ہے اس لیے وہ نماز کی صرف ظاہری صورت ادا کرتا ہے اور مسلمان باطنی فرمانبرداری کے باعث نماز کی حقیقت سے مزین ہے لہذا صورت اور حقیقت کا اعتبار باطنی انکار و اقرار پر ہے۔ یہ درجہ یعنی اطمینانِ نفس اور اعمالِ صالحہ کی حقیقت کا درجہ ولایتِ خاصہ کے کمالات کے حصول کے بعد جو درجہ سوم سے متعلق ہے حاصل ہو جاتا ہے۔

تشریح:

یہاں ایک بات سمجھنا بہت ضروری ہے ورنہ گڑبڑ ہو جائے گی۔ منافق اور مسلمان کے درمیان تصدیق بالقلب کا فرق ہے۔ کیونکہ منافق میں **اقرار باللسان** ہوتا ہے **تصدیق بالقلب** نہیں ہوتی۔ منافق اور مسلمان کا فرق عقیدے میں ہے۔ یہ بات ابھی ابھی عطا ہوئی ہے۔ الحمد للہ!

بہر حال مسلمان کو **اقرار باللسان** اور **تصدیق بالقلب** دونوں حاصل ہیں، لیکن منافق کو **تصدیق بالقلب** حاصل نہیں ہے۔ منافق **اقرار باللسان** کی جو ظاہری صورت

بنا رہا ہے، وہ قصداً بنا رہا ہے۔ وہ بظاہر نماز پڑھ رہا ہے لیکن اس کو پتا ہے کہ میں نماز نہیں پڑھ رہا۔ وہ ظاہر میں اپنے آپ کو مسلمان دکھانا چاہتا ہے، اس لئے صرف دکھانے کے لئے نماز پڑھ رہا ہے۔

لہذا منافق کی جو مثال دی گئی وہ یہاں فِٹ ہو جاتی ہے۔ جیسے صورت اور حقیقت کی بات کی گئی ہے۔ چونکہ منافق کا عقیدہ درست نہیں ہے لہذا وہ قصداً صورت بنا رہا ہے۔ جب کہ بے عمل مسلمان منافق نہیں ہے، کیونکہ اس میں منافقت نہیں ہے۔ اس کا عقیدہ تو صحیح ہے۔ لیکن نفس اس کو صحیح عمل نہیں کرنے دے رہا، اس کا نفس ابھی قابو نہیں ہوا، نتیجتاً اس کا عمل ابھی حقیقت کے اعتبار سے نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا نفس مطمئنہ نہیں ہے۔ اس وجہ سے ایسے لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ منافق کی طرح نماز پڑھ رہے ہیں۔ جیسے حدیث شریف میں منافق کی تین نشانیاں بتائی گئی ہیں کہ وہ وعدہ کرے گا تو پورا نہیں کرے گا، جھوٹ بولے گا اور امانت میں خیانت کرے گا۔ اب اگر کوئی مسلمان ہے، اس کے دل میں ایمان ہے، لیکن وہ ان چیزوں میں مبتلا ہے جو منافق کی نشانیاں بتائی گئی ہیں، تو منافق کی نشانیوں کے ہونے کی وجہ سے علمائے کرام اس پر فتوی لگاتے ہیں کہ وہ منافق کی طرح بات کر رہا ہے، منافق کی طرح کام کر رہا ہے۔ اگرچہ وہ منافق ہے نہیں۔ کیونکہ منافق کا تعلق عقیدہ کے ساتھ ہے، اعمال کے ساتھ نہیں ہے۔ لہذا وہ منافق تو نہیں ہے، لیکن صورت کے لحاظ سے منافق کی طرح ہے۔ لہذا دونوں صورتوں میں صورت والی بات آ گئی۔ لہذا صورت تو ہے لیکن حقیقت نہیں ہے۔ اصل حقیقت تو یہ ہے کہ عقیدہ بھی صحیح ہو اور نفس بھی قابو میں آ چکا ہو۔ اور ان دونوں میں سے اگر عقیدہ صحیح نہیں ہے پھر بھی حقیقت حاصل نہیں ہے۔ اگر ظاہری عقیدہ تو صحیح ہے، لیکن اس کا نفس قابو نہیں ہے، تو پھر بھی صورت ہے۔ ان دونوں صورتوں میں صورت والی بات ہو جائے گی۔

جواب بالکل واضح ہے۔ اسی لیے اصلاحِ نفس کو فرض عین کا درجہ حاصل ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر مکمل تباہی یقینی ہے۔ ﴿وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے، واللہ اعلم۔

متن:

(متابعت کا) درجہ چہارم پہلے درجے میں اس متابعت کی صورت تھی اور یہاں اس اتباع کی حقیقت ہے۔ اتباع کا یہ درجہ علمائے راسخین شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے ساتھ مخصوص ہے۔

تشریح:

پہلے درجہ میں تو علماء اور عوام دونوں شامل ہیں اگر ان کو نفس پہ قابو حاصل نہیں ہے، انہوں نے ابھی سلوک طے نہیں کیا، تو وہ دونوں ایک درجہ میں ہیں، ان کو علم کا فائدہ ہو گا، اس کا اجر بھی ملے گا، لیکن بہر حال وہ پہلے درجے میں ہیں۔ چوتھا درجہ خاص ہے، اگرچہ عوام تیسرے درجہ میں بھی کامل ہو جاتے ہیں، لیکن جب علماء کامل ہو جاتے ہیں تو ان کو چوتھے درجہ میں ترقی مل جاتی ہے۔ وہ چوتھا درجہ کیا ہے؟ آگے حضرت نے یہی بتایا ہے۔

متن:

اتباع کا یہ درجہ علمائے راسخین شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو اطمینانِ نفس کے بعد متابعت کی حقیقت کی دولت سے متحقق ہیں۔ اولیاء اللہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کو تمکینِ قلب کے بعد اگرچہ ایک طرح کا اطمینانِ نفس حاصل ہو جاتا ہے لیکن نفس کو کمال درجہ اطمینان کمالاتِ نبوت کے حصول کے بعد حاصل ہوتا ہے جو کہ وراثت کے طور پر ان کمالات سے علماء راسخین کو بھی حصہ حاصل ہے۔ پس علماء راسخین نفس کے کمالِ اطمینان کے باعث شریعت کی حقیقت سے جو اتباع کی حقیقت ہے متحقق ہوتے ہیں۔ اور دوسروں کو چونکہ یہ کمالات حاصل نہیں ہوتے اس لیے کبھی وہ شریعت کی صورت سے متلبس اور کبھی اس کی حقیقت سے متحقق ہوتے ہیں۔

اب ہم علماءِ راسخین (عام علماء کی نہیں) کی ایک علامت بیان کرتے ہیں۔ تاکہ ہر ظاہر دان عالمِ راسخ ہونے کا دعویٰ نہ کرے اور اپنے (نفس) امارہ کو مطمئنہ نہ سمجھ بیٹھے۔

عالمِ راسخ وہ ہے جس کو کتاب و سنت کے متشابہات کی تاویل سے بہت حصہ حاصل ہوا اور قرآن کریم کی سورتوں کے اوائل میں جو حروفِ مقطعات ہیں ان کے اسرار سے بھی بہرہ ور ہو۔ اور متشابہات کی تاویل بہت ہی پوشیدہ اسرار میں سے ہے۔ یہ خیال نہ کریں کہ یہ تاویل "ید" (ہاتھ) کی قدرت کے مانند ہے اور وجہ (چہرہ) کی تاویل ذات سے کرنے کی طرح ہے، کیونکہ یہ تاویل علم ظاہر سے پیدا ہوتی ہے اس کا اسرار سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ ان اسرار کے جاننے والے تو انبیاء علیہم الصلوات و التسلیمات ہیں، اور یہ رموز ان کے معاملات سے متعلق اشارات ہیں یا وہ حضرات ہیں جو تبعیت و وراثت کے طور پر اس دولتِ عظمیٰ سے سرفراز فرمائیں۔ اس درجہ متابعت کا حصول جو نفس کے اطمینان سے وابستہ ہے اور صاحب شریعت علیہ و علیٰ آلہ الصلوۃ و السلام کی متابعت کی حقیقت کا وصول ہے کبھی بغیر واسطہ فنا و بقا اور کبھی سلوک و جذبہ کے توسل کے بغیر میسر ہو جاتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ احوال و مواجید اور تجلیات و ظہورات میں سے کچھ بھی درمیان میں نہ آئے اور یہ دولت حاصل ہو جائے۔ لیکن دوسرے راستوں کی نسبت ولایت کی راہ سے اس دولت تک پہنچنا بہت آسان اور اقرب ہے۔ اور وہ دوسرا راستہ اس فقیر کے خیال میں سنت سنیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام و التحیۃ کی متابعت کا التزام اور بدعت کے اسم و رسم (نام و نشان) سے اجتناب کرنا ہے۔ جب تک بدعت حسنہ سے بھی بدعت سیئہ کی طرح پرہیز نہ کریں اس وقت تک اس دولت کی خوشبو اس کی جان کے دل و دماغ میں نہ پہنچے گی۔ آج یہ بات مشکل معلوم ہوتی ہے کیونکہ تمام جہان دریائے بدعت میں غرق ہو چکا ہے اور بدعت کے اندھیروں میں آرام سے ہے۔ کس کی مجال ہے کہ بدعت کو دور کرنے کا دم مارے اور سنت کے زندہ کرنے میں لب کشائی کرے۔ اس زمانے کے اکثر علماء بدعتوں کو رواج دینے اور سنتوں کو محو کرنے میں مشغول ہیں۔ مروجہ بدعتوں کو مخلوق کا تعامل جان کر ان کے جواز کا بلکہ استحسان کا فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں کو بدعت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر گمراہی عام پھیل جائے اور باطل متعارف و مشہور ہو جائے تو تعامل (بتکلف عمل بنا لینا) ہو جاتا ہے۔ مگر (علماء) یہ نہیں جانتے کہ یہ تعامل مطلقاً استحسان کی دلیل نہیں ہے، وہ تعامل معتبر ہے جو صدر اول سے چلا آ رہا ہو یا تمام لوگوں کے

اجماع سے حاصل ہوا ہو۔

تشریح:

حضرت نے یہاں ایک غلط فہمی دور کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ سارے علماء اس درجہ میں نہیں آتے۔ بلکہ یہ درجہ علمائے راسخین کے ساتھ مخصوص ہے۔

اختصار کے ساتھ بتانے کی کوشش کرتا ہوں کہ علمائے راسخین کون ہیں؟ جب انسان کا نفس قابو میں آ جائے اور عبدیت حاصل ہو جائے، وہ ردِ بدعات اور سنت کی اتباع محبت کے ساتھ کرنا شروع ہو جائے تو اللہ پاک اس عبدیت کی برکت سے اس پہ معارف کھولتے ہیں۔ اگر وہ معارف کسی اور کے ہیں، مثلاً اس نے کسی کتاب میں پڑھے ہیں تو وہ تقلیدی معارف ہیں۔ ان سے وہ چیز حاصل نہیں ہوتی۔ ایسا آدمی اگرچہ عالم ہے مگر علمائے راسخین میں نہیں ہے۔ جن پہ اللہ پاک خود معارف کھول دے، ان کو وہ اظہر من الشمس نظر آ جائیں، محسوسات میں آ جائیں، اس کو علمائے راسخین کہتے ہیں۔ اللہ جل شانہ ان کے اوپر معرفت کی باتیں روزِ روشن کی طرح کھول دیتے ہیں۔ ایسے علمائے راسخین ہوتے ہیں۔ ان کو یہ درجہ حاصل ہو سکتا ہے۔ چاہے حروف مقطعات ان کو جس طریقے سے بھی سمجھ میں آ جائیں، چاہے متشابہات کے معانی و مفاہیم ان کو حاصل ہو جائیں۔ اس میں اللہ جل شانہ کی منشا کے مطابق جتنی سمجھ کی ضرورت ہے، ان کو حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ زبانی جمع خرچ کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ یہ نفس کے اطمینان کے بعد حاصل ہونے والی قلب کی ایک حالت ہے۔ قلب کی ایک حالت نفس کے اطمینان سے پہلے حاصل ہونے والی بھی ہے اور ایک اس کے بعد والی بھی ہے۔ نفس کے اطمینان کے بعد اس کی جو حالت ہوتی ہے، اس میں معارف کھلتے ہیں، جب ملائے اعلیٰ کے ساتھ روح کا رابطہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کے اوپر جو احوال کھلتے ہیں وہ اس قسم کے ہوتے ہیں۔ وہ معارف ہوتے ہیں۔ ان کے ذریعے سے وہ دوسروں سے مختلف ہوتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ لوگ استحسان کی بات کر رہے ہیں۔ در اصل وہ اجماع کی طرف بات لے گئے، کیونکہ بہت سارے لوگوں کا عمل اگر ایک

ہو جائے تو وہ اجماع بن جاتا ہے۔ حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔ کیونکہ جب درمیان سے رشتہ ٹوٹ گیا تو پھر وہ چیز ہی نہیں رہی۔

ہمارے حضرت حلیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ ہمیں اپنے بزرگوں نے ایک بات سکھائی تھی، اس وقت ہمیں معلوم نہیں تھا کہ وہ کیوں بتا رہے ہیں۔ فرمایا تھا کہ اس کو رٹ لو، اس کو سمجھ لو، یہ بات کام آئے گی، چاہے اِس وقت سمجھ میں نہ آئے لیکن اس کو رٹ لو، سمجھ لو، کسی وقت کام آ جائے گی۔ وہ بات یہ تھی کہ "دین متواتر ہے اور تواتر سے ثابت ہے"۔

یعنی صحابہ سے جو چیز آ رہی ہے، درمیان میں اس کی کڑی ٹوٹنی نہیں چاہیے، جہاں کڑی ٹوٹ گئی وہاں معاملہ ویسا نہیں رہا۔ حضرت اس تواتر کے اوپر زور دے رہے ہیں، کیونکہ جس بات پر اجماع صحابہ ہوا ہو یا صحابہ کا تعامل ہوا ہو، اس کے خلاف اجماع نہیں ہو سکتا۔

متن:

جیسا کہ فتاویٰ غیاثیہ میں مذکور ہے کہ "شیخ الامام شہید رحمہ اللہ سبحانہ" فرماتے ہیں کہ ہم مشائخِ بلخ کے استحسان پر فتویٰ نہیں دیتے بلکہ ہم اپنے متقدمین اصحاب رحمہم اللہ سبحانہ کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں کیونکہ صرف ایک شہر کا تعامل جواز پر دلالت نہیں کرتا، بلکہ وہ تعامل جواز پر دلالت کرے گا جو صدرِ اول سے استمرار کے طور پر چلا آ رہا ہے تاکہ وہ نبی کریم علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ و السلام کی تقریر (حدیث) پر دلیل ہو۔

تشریح:

تقریر سے مراد یہ ہے کہ صحابہ کرام نے وہ عمل آپ ﷺ کے سامنے کیا ہوتا ہے، اگر وہ غلط ہوتا تو آپ ﷺ روک دیتے، اگر وہ ٹھیک ہوتا تو اس کی اجازت دے دیتے۔ اس کی دلیل ساتھ آنی چاہیے۔ گویا تواتر میں تسلسل ہوتا ہے۔ لیکن اگر درمیان میں تسلسل ٹوٹ گیا تو دلیل ختم ہو گئی، تواتر نہیں رہا۔

متن:

اور لوگوں کے لیے نشانِ راہ ہو، تو یہ حقیقت میں آنحضرت علیہ و علی آلہ الصلٰوۃ و السلام کی شریعت ہو گا۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر لوگوں کا فعل حجت نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر تمام شہروں کے بکثرت لوگ اس پر عمل پیرا ہوں تو یہ "اجماع" ہو جائے گا اور اجماع حجت ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اگر کچھ لوگ شراب کی تجارت یا سود کے رواج پر تعامل کریں تو ان کے حلال ہونے کا فتوی نہیں دیا جائے گا۔

اور اس میں شک نہیں کہ تمام مخلوق کے تعامل کا علم اور تمام دیہات و شہروں کا عمل حاصل کرنا انسان کے احاطہ سے باہر ہے۔ باقی رہا صدرِ اول کا تعامل جو کہ حقیقت میں آں سرور علیہ و علی آلہ الصلوۃ والسلام کی تقریر یعنی "برقرار رکھا ہوا" ہے اور آنحضرت علیہ و علٰی آلہ الصلوۃ و السلام کی سنت کی طرف راجع ہے۔ اس (تعامل) میں بدعت کہاں اور بدعت حسنہ کیسی؟

تشریح:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بہت باریک بات فرمائی ہے۔ یہ ایک فقہی بات ہے۔ استحسان ایک فقہی اصطلاح ہے اور تواتر بھی ایک فقہی اصطلاح ہے۔یہاں حضرت نے یہ فرمایا ہے کہ صحابہ کرام تھوڑے تھے، ان کا اجماع محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت تو حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ شہر میں گشت کرتے تھے، کیا آج کا حکمران ایسا کر سکتا ہے؟ اگر کرے گا بھی تو کہاں کہاں کرے گا؟ اُس وقت بات اور تھی، اِس وقت بات اور ہے۔ اس وقت سب لوگوں کے بارے میں جاننا ممکن نہیں ہے۔ اگرچہ اتنا جدید ترقی یافتہ زمانہ ہے پھر بھی یہ نہیں ہو سکتا۔ جو مصر میں ہو رہا ہے، وہ یہاں نہیں ہو رہا۔ جو سوڈان میں ہو رہا ہے، وہ یہاں پر نہیں ہو رہا ہے۔ ان سب کو جمع کرنا نا ممکن ہے، لہذا آج کل اجماع قائم کرنا بہت مشکل ہے۔ چنانچہ حضرت فرما رہے ہیں کہ اگر ایسا اجماع آج بھی قائم ہو جائے تو ہم مان لیں گے۔ چونکہ حدیث شریف میں ہے کہ میری امت گمراہی پہ جمع نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اجماع اگر قائم ہو گیا تو ہم مان لیں گے۔ غلام احمد قادیانی کے کافر ہونے پر اجماع ہوا ہے، اسے الحمد للہ سب نے مان لیا

ہے۔ صرف کافروں نے نہیں مانا اور خود قادیانیوں نے نہیں مانا۔ کیونکہ وہ تو مبتلا ہیں۔ بہر حال باقی چیزوں میں اجماع کو حاصل کرنا بڑا مشکل کام ہے۔

متن:

اصحاب کرام کو تمام کمالات کے حاصل ہونے میں صحبتِ خیر البشر علیہ و علیہم الصلوات و التسلیمات کافی تھی، اور علمائے سلف میں سے جو حضرات بھی رسوخ کی اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں وہ صوفیہ کے طریقے کو اختیار کیے بغیر اور سلوک و جذبے کے ساتھ مسافت کو قطع کیے بغیر مشرف ہوئے ہیں اور وہ سنتِ سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام و التحیۃ کی متابعت کے التزام اور بدعت نا پسندیدہ سے اجتناب کی وجہ سے اس مرتبہ پر پہنچے ہیں۔ **اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْنَا عَلٰی مُتَابَعَةِ السُّنَّةِ وَجَنِّبْنَا عَنِ ارْتِکَابِ الْبِدْعَةِ بِحُرْمَةِ صَاحِبِ السُّنَّةِ عَلَیْهِ وَاٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّةُ۔** (یا اللہ! تو ہم کو بحرمتِ صاحبِ سنت علیہ و علی آلہ الصلوۃ و السلام و التحیۃ کی متابعت پر ثابت قدم رکھ اور بدعت کے ارتکاب سے بچا) آمین۔

تشریح:

جن علماء کرام کو نفسِ مطمئنہ حاصل ہو جائے، ان پر تشابہات اور حروفِ مقطعات کے اسرار بھی کھل جائیں، اس کی برکت سے مزید معارف بھی کھل جائیں تو ان کو یہ درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

متن:

متابعت کا پانچواں درجہ آں سرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ و السلام کے صرف ان کمالات کا اتباع ہے جن کے حاصل ہونے میں علم و عمل کا کوئی دخل نہیں۔

تشریح:

یعنی چوتھے درجہ تک معاملہ عمل سے اوپر کا ہے۔

متن:

بلکہ ان کا حصول خداوند جل سلطانہٗ کے محض فضل و احسان پر موقوف ہے۔ یہ درجہ نہایت ہی بلند ہے۔ سابقہ درجات کی اس درجے کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں۔ یہ کمالات اولو العزم انبیاء علیہم الصلوات و التسلیمات کے ساتھ بالاصالت مخصوص ہیں اور دوسروں کو تبعیت و وراثت کے طور پر حاصل ہیں۔ دیکھئے اس دولت سے کس کو مشرف فرماتے ہیں۔

تشریح:

جب کمالاتِ نبوت کا اتباع کیا جاتا ہے تو اللہ جل شانہ اپنے فضل سے کچھ کمالات عطا فرما دیتے ہیں۔ اگر محبت کا عنصر ہو تو پانچواں درجہ حاصل ہو سکتا ہے جو فضل اور احسان سے اوپر کا درجہ ہے۔

یہ اتباعِ رسول ﷺ کا بہت ہی اعلیٰ درجہ ہے، اس کو علم و عمل سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ محض اللہ تعالی کے فضل سے ہی ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔ آمین

آگے چھٹا درجہ بیان فرمایا ہے۔

متن:

متابعت کا چھٹا درجہ آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ و السلام کے ان کمالات کا اتباع ہے جو آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ و السلام کے مقامِ محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جس طرح پانچویں درجہ میں کمالات کا فیض محض فضل و احسان پر تھا اسی طرح اس چھٹے حصے میں بھی ان کمالات کا فیضان محض محبت پر موقوف ہے جو فضل و احسان سے بالا و برتر ہے۔ متابعت کا یہ درجہ بھی بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ پہلے درجے کے علاوہ متابعت کے یہ پانچ درجے مقاماتِ عروج کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور ان کا حصول بھی صعود پر وابستہ ہے۔ یہ درجہ آپ ﷺ کے ان کمالات کا اتباع ہے جو آپ ﷺ کی محبوبیت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، اور یہ محبت ہی کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے جو احسان سے بھی بڑھ کر ہے، سوائے پہلے کے باقی تمام بیان کردہ درجات کا

تعلق عروج کے ساتھ ہے۔

تشریح:

آگے ساتواں درجہ ہے جو آخری درجہ ہے۔

متن:

متابعت کا ساتواں درجہ وہ ہے جو نزول و ہبوط سے تعلق رکھتا ہے۔ اور متابعت کا یہ ساتواں درجہ سابقہ تمام درجات کا جامع ہے۔

تشریح:

جیسے غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعوی کیا تھا، تو وہ کافر ہو گیا چاہے اس پہ اجماع ہو یا نہ ہو۔ یہاں تک کہ اس کے کفر میں شک کرنا بھی کفر ہے۔ کیونکہ اس کا کفر نصِّ صریح سے ثابت ہے۔ اس کے لیے ہم اجماع کا انتظار نہیں کرتے۔ ہاں البتہ اس کو لاگو کرنے کے لیے پارلیمنٹ سے منظور کروایا گیا، تاکہ اس کے کفر کا حکم عملی طور پر نافذ ہو جائے اور اس پر قانونی طور پر عمل کیا جا سکے، اس لیے وہ ساری محنت کی گئی ورنہ وہ کافر اس وجہ سے نہیں کہ اس پر اجماع ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے کہ اگر کسی نے جھوٹے مدعی نبوت سے معجزہ بھی طلب کیا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ لہذا (مرزا غلام احمد قادیانی کے کافر ہونے) میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔

متن:

کیونکہ اس مقام میں نزول بھی تصدیقِ قلبی ہے اور تمکینِ قلبی بھی ہے اور نفس کا اطمینان بھی اور اجزائے قالب کا اعتدال بھی ہے جو طغیان و سرکشی سے باز آ گئے ہیں۔ پہلے درجے گویا اس متابعت کے اجزا تھے اور یہ درجہ ان اجزا کے کل کی مانند ہے۔ اس مقام میں پہنچ کر تابع کو اپنے متبوع کے ساتھ اس قسم کی مشابہت پیدا ہو جاتی ہے کہ گویا تبعیت و پیروی کا نام ہی درمیان سے اٹھ جاتا ہے اور تابع و متبوع (کے احکام) کی تمیز دور ہو جاتی ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا تابع اپنے متبوع کی طرح جو کچھ حاصل کرتا ہے اصل سے حاصل کرتا ہے گویا دونوں ایک ہی چشمے سے پانی پیتے ہیں

اور دونوں ایک دوسرے کے ہم آغوش و ہمکنار ہیں اور ایک ہی بستر پر شیر و شکر کی طرح ہیں، معلوم نہیں ہوا کہ تابع کون ہے اور متبوع کون، اور تبعیت کس کے لیے ہے، اتحادِ نسبت میں تغایر نسبت کی کچھ گنجائش نہیں۔

تشریح:

اس درجے میں سارے درجے شامل ہیں اور اس میں نزول حاصل ہو جاتا ہے۔ تصدیقِ قلبی اور نفسِ مطمئنہ کے ساتھ اجزائے قالب کا اعتدال بھی اس میں نصیب ہو جاتا ہے۔یہاں تابع اور متبوع ایک ہی چشمے سے سیراب نظر آتے ہیں۔

متن:

عجب معاملہ ہے کہ اس مقام میں جہاں تک غور کی نظر سے مطالعہ کیا جاتا ہے تبعیت کی نسبت کچھ ملحوظ و منظور نہیں ہوتا اور تابعیت و متبوعیت کا امتیاز ہرگز مشہود نہیں ہوتا البتہ اس قدر فرق معلوم ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو اپنے نبی علیہ و علیٰ جمیع الانبیاء من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا کا طفیلی اور وارث جانتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ تابع اور ہوتا ہے اور طفیلی و وارث اور۔ اگرچہ تبعیت کی قطار میں سب برابر ہیں لیکن تابع میں بظاہر متبوع کا حیلولہ (حائل ہونا) درکار ہے اور طفیلی وارث میں (متبوع کا) کوئی حیلولہ درکار نہیں ہے۔

تشریح:

اس پر حضرت نے مکتوبات شریفہ کے آخر میں ایک مکمل مکتوب بھی لکھا ہے۔

متن:

تابع (اپنے متبوع کا) پس خوردہ کھانا کھاتا ہے اور طفیلی ضمنی طور پر ساتھ بیٹھ کر کھانے والا ہے غرضیکہ جو دولت بھی آئی ہے وہ انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کے لیے آئی ہے اور امتیوں کے لیے یہی سعادت ہے کہ انبیاء علیہم الصلوات و التسلیمات کے طفیل اس دولت سے حصہ پائیں اور ان کا پس خوردہ تناول کریں۔

تشریح:

حضرت نے یہاں ایک مشکل مقام کو سمجھانے کے لیے تشریح فرمائی ہے کہ اس مقام میں چونکہ تابع اور متبوع ایک چشمے سے سیراب نظر آتے ہیں، اس لئے ان میں بظاہر فرق نظر نہیں آتا، بس فرق یہ ہے کہ متبوع کو فی الاصل مل رہا ہے اور طفیلی کو متبوع کے طفیل مل رہا ہے۔ تاہم ملتا سب کو آپ ﷺ کی بدولت ہی ہے۔

متن:

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم
ایں بس کہ رسد ز دور بانگ جرسم
قافلے تک کہاں پہنچ ہو گی، ہے غنیمت سنوں جرس کی صدا

کامل تابعدار وہ شخص ہے جو متابعت کے ان ساتوں درجوں سے آراستہ ہو اور جو شخص بعض درجات میں تو متابعت رکھتا ہو اور بعض میں نہ رکھتا ہو وہ درجات کے فرق کے اعتبار سے مجمل طور پر تابع ہے۔ علمائے ظاہر پہلے درجے ہی میں خوش ہیں۔ کاش کہ یہ لوگ درجہ اول ہی کو سر انجام دے لیتے۔ انھوں نے صرف شریعت کی صورت ہی میں متابعت کو موقوف رکھا ہے اس کے علاوہ کوئی اور امر کا خیال ہی نہیں کرتے۔ اور طریقہ صوفیہ کو جو کہ درجات متابعت کے حاصل ہونے کا واسطہ ہے بیکار تصور کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر علماء ہدایہ اور بزدوی کے سوا کسی اور کو اپنا پیر و مقتدا نہیں جانتے۔

چو آں کرمے کہ در سنگے نہاں است
زمین و آسمان او ہماں است
وہ کیڑا جو کہ پتھر میں نہاں ہے، وہی اس کی زمین اور آسماں ہے۔

تشریح:

حضرت نے تو کتاب میں لکھا ہے، لیکن میرے ساتھ عملی طور پر ایسا ہوا ہے۔ ہم شاہ پور شانگلہ ایک مدرسہ میں گئے تھے۔ میں نے شانگلہ میں ڈیڑھ بجے جمعۃ المبارک

کا بیان کیا۔ اس کے بعد انہوں نے اعلان کیا کہ ان شاء اللہ تین بجے خواتین کے لیے بیان ہو گا۔ وہ بیان ایک پیر صاحب کے گھر میں تھا، ہم وہاں گئے، کھانا بھی اُدھر ہی کھایا۔ تین بجے بیان ہو گیا۔ اس مختصر سی جگہ میں ڈیڑھ سو کے لگ بھگ خواتین جمع ہو گئیں۔ بیان بھی ہو گیا، اس میں خواتین بیعت بھی ہو گئیں، انہوں نے ذکر بھی لے لیا۔ وہ پیر صاحب بھی بیعت ہوئے، تبلیغی جماعت کے امیر صاحب بھی بیعت ہوئے، وہاں کے خطیب صاحب بھی بیعت ہوئے۔ گویا تین درجے پورے ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ قریب ہی پرشٹ نامی ایک گاؤں ہے، وہاں جاتے ہیں۔ وہاں جامعہ فاروقیہ کراچی کے فارغ التحصیل عالم تھے، وہ اور ان کے متعلقین بھی بیعت ہوئے۔ اب سب نے مشورہ کیا کہ ان کو شاہ پور کے مدرسے میں لے جانا ہے۔ تبلیغی جماعت کے امیر اور وہ خطیب صاحب اس کے حق میں نہیں تھے، کیونکہ اس مدرسہ کے لوگ بڑے سخت تھے، وہ کسی چیز کو نہیں مانتے تھے۔ اندیشہ تھا کہ وہاں کوئی فتنہ، لڑائی یا کوئی اور مسئلہ نہ ہو جائے۔ وہ اس کے لیے تیار نہیں تھے۔ لیکن جو مجھے لے جانا چاہتے تھے وہ میرے میزبان تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ضرور جانا ہے۔ میں نے کہا: آپ لوگ آپس میں فیصلہ کر لیں، جو فیصلہ آپ میں ہو گیا وہ مجھے منظور ہے۔ اخیر میں وہ میزبان غالب آ گیا۔ اللہ کی شان کہ اس وقت گاڑی نہیں ملی۔ لہٰذا ہم شام کو تو نہیں جا سکے، اگلے دن صبح فجر کے بعد چلے گئے۔ وہاں کے مہتمم صاحب جنازے میں شرکت کرنے کے لیے کنٹر سے تشریف لائے تھے، وہ مجھے نہیں جانتے تھے، میرے میزبان نے کہا کہ انہوں نے بیان کرنا ہے۔ ان کی آپس میں بڑی بے تکلفی تھی۔ مہتمم صاحب نے کہا کہ سب کو جمع کر لو۔ ایک ہال میں سب کو جمع کیا اور بے تکلفی سے اعلان کر دیا کہ میں ان صاحب کو نہیں جانتا لیکن ان لوگوں نے کہا ہے کہ یہ بیان کریں گے۔ اس طرح بہت سادگی کے ساتھ انہوں نے اعلان کر دیا۔ مجھے ان کا یہ انداز بہت پسند آیا۔ بہرحال میں نے بیان کر لیا۔ بیان کے بعد مجھے دو تین لڑکوں نے پہچان لیا کہ یہ فہم الفلکیات کے مصنف ہیں۔ وہ میرے پیچھے آئے، اور کہنے لگے کہ آپ ہمیں کچھ درس دے دیں تاکہ ہم آپ کی شاگردی میں آ جائیں۔ میں نے کہا کہ میں اساتذہ کو پڑھاتا ہوں، کسی مدرسے میں شاگردوں کو نہیں پڑھاتا، اس میں مسائل ہوتے ہیں۔

مہتمم صاحب نے کہا، کیوں نہیں پڑھاتے؟ میں نے کہا: مسئلہ ہو جاتا ہے، کیونکہ اساتذہ کی وہ بات نہیں رہتی۔

مہتمم صاحب کہنے لگے کہ نہیں! جب لوگوں کو فائدہ ہوتا ہے تو پڑھانا چاہیے۔ میں نے کہا: پھر ٹھیک ہے، میں پڑھا دیتا ہوں۔ لہذا میں نے ایک دو صفحے پڑھا دیئے۔ اس کے بعد کچھ اور حضرات آ گئے کہ ہم بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا، یہ تو اور بھی خطرناک بات ہے۔ کہتے ہیں: کیوں؟ میں نے کہا: میں مدرسے میں مداخلت نہیں کرنا چاہتا، یہ مدرسہ ہے۔ وہی مفتی صاحب کہنے لگے کہ آپ بیعت کر لیں، ان کے فائدہ کی بات ہے آپ کیوں انکار کرتے ہیں؟ میں نے کہا: اگر آپ کی اجازت ہے تو کر لیتا ہوں۔ یوں وہیں پر ساٹھ ستر کے قریب لوگ آ گئے اور اجتماعی بیعت ہو گئی۔

اس کے بعد انہوں نے مجھے علیحدہ کر کے کہا کہ یہ آپ نے بڑی زیادتی کی ہے کہ آپ صرف ایک دن کے لیے آئے، یہ اجمیر تک علاقہ ہمارا ہے، آپ ایک ہفتے کے لیے آ جائیں تو یہاں بہت کام ہو جائے گا۔ آپ کے تصوف کو میں نے سن لیا ہے یہ قرآن و سنت کا تصوف ہے۔ اس سے ہم انکار نہیں کرتے۔

الحمد للہ بہت اچھی مجلس ہو گئی۔ پھر ہم اجازت لے کے چلے گئے۔ اگلے سال بھی ان کی دعوت پہ گئے۔ اس مرتبہ کچھ لوگ جو ہماری اس چیز کے مخالف تھے، انہوں نے ایک ڈرامہ سا بنایا کہ ایک صاحب سے قرآن پاک کی ان آیات کی تلاوت کروائی جن کا مفہوم یہ ہے کہ جو قرآن سے اعراض کرتے ہیں، ان کو کہا جائے کہ اب کیوں بھاگتے ہو، اب آ جاؤ۔ اس سے استدلال کر کے انہوں نے یہ کہا کہ اصل میں قرآن ہی پیر ہے کوئی اور پیر نہیں ہوتا۔ گویا انہوں نے اس سے اپنی طرف سے استدلال کر لیا، میں نے سن لیا۔ اس وقت تو میں نے کچھ نہیں کہا کہ کہیں بات بگڑ نہ جائے، کام

خراب نہ ہو جائے۔ جتنی بات کر سکتا ہوں، اس کا موقع بھی ہاتھ سے چلا نہ جائے۔ لہذا میں نے اس وقت سنی ان سنی کر دی اور میں نے تقریباً ایک گھنٹہ بیان کیا اور بیان کے آخری پانچ منٹ میں نے تصوف کا مسئلہ بھی بیان کر دیا۔ میں نے کہا کہ آپ حضرات نے کہا ہے پیر قرآن ہی ہوتا ہے۔ اس سے تو کوئی منکر نہیں کہ قرآن ہدایت کی کتاب ہے۔ سورۂ بقرہ کی ابتدا میں فرمایا گیا ہے کہ قرآن ہدایت کی کتاب ہے، اس پر سب کا یقین ہے، لیکن سورہ فاتحہ میں یہ بھی فرمایا گیا:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ (الفاتحۃ: ۵-۶)

ترجمہ: "ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما۔ ان لوگوں کے راستے کی جن پر تو نے انعام کیا"۔

اور ﴿أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ کے بارے میں قرآن پاک میں ہی ایک دوسرے مقام پر بتایا گیا ہے کہ اس سے مراد انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین ہیں۔ یہ سب رجال اللہ ہیں۔ سورہ فاتحہ میں رجال اللہ کی اتباع ہے اور سورۂ بقرہ میں قرآن کی اتباع ہے۔ ہمارا کام رجال اللہ اور کتاب اللہ دونوں اتباعوں کو جمع کرنا ہے۔ چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جو ان دونوں کو جمع کر لے گا وہ صحیح معنوں میں ہدایت پر ہو گا اور جو ان دونوں میں سے کسی ایک کو لے گا، وہ گمراہ ہو جائے گا۔ اس کی مثال یہ دی کہ جیسے خوارج، صرف کتاب اللہ کو ماننے والے تھے اور فاطمین صرف رجال اللہ کو ماننے والے تھے۔

میں نے بیان میں مزید یہ کہا کہ جب خوارج نے کہا تھا کہ ہم صرف کتاب اللہ کو مانتے ہیں تو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے سامنے قرآن رکھا اور فرمایا: "**يَا مُصْحَفُ كَلِّمِ النَّاسَ**" "اے مصحف لوگوں سے بات کر"

انہوں نے کہا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں وہی کر رہا ہوں جو آپ لوگ کہنا چاہتے ہیں۔ آپ لوگ کہتے ہیں قرآن کافی ہے، لہٰذا اب قرآن ہی آپ سے بات کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دونوں کو جمع کرنا ضروری ہے۔ اس لیے ہم کہتے ہیں رجال اللہ کو بھی لو، اس میں پیر بھی ہیں اور کتاب اللہ کو بھی لو جس میں علماء شامل ہیں، جو کتاب اللہ کو سکھاتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ گیارہ آدمی اس وقت بھی بیعت ہو گئے۔ بہر حال بعض لوگ اس قسم کی بات کرتے ہیں، لیکن وہ صرف نا سمجھی کی وجہ سے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرما دے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝

مقامات قطبیہ ومقالات قدسیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ اَمَّا بَعْدُ ۝

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں حضرت مولانا عبد الحلیم المعروف گل بابا رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "مقاماتِ قطبیہ اور مقالاتِ قدسیہ" سے تعلیم جاری ہے، یہ منگل کے روز ہوا کرتی ہے۔ آج اس کتاب میں حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زہد کے بارے میں جو بیان کیا گیا ہے اس کی تعلیم ہو گی۔ فرماتے ہیں:

فصل

آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کے زہد کے بیان میں:

متن:

حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ تارکین دنیا میں سے تھے، بلکہ ما سوی اللہ کو ترک فرما چکے تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ صاحبہ روایت فرماتی ہیں کہ ایک عورت دہی کی ایک مشک اور سوت کے تار لنگر میں نذر کرنے لائی۔ دہی کو تو میں نے لنگر میں صرف کیا، اور سوت کو ان کے حجرے میں خفیہ جگہ چھپا رکھا تاکہ گدڑی یا خرقہ مبارکہ کی مرمت کروں۔ جب حضرت صاحب مسجد سے حجرہ مبارکہ میں تشریف لائے تو حجرے کے دروازے پر کھڑے رہے اور بہت زیادہ محزون و غمگین کھڑے رہے، حجرے میں اندر قدم نہ رکھا۔ میں جلدی سے اُن کے پاس آئی اور ان کو کہنے لگی کہ اے میری آنکھوں کے نور اور ٹھنڈک، اور اے میرے گھر کے چراغ! کیا وجہ ہے کہ محزون و مغموم ہو، اور آپ کا رنگ اُڑ چکا ہے اور حجرہ کے اندر تشریف کیوں نہیں لے جا رہے ہو؟ آپ نے فرمایا کہ اے میری مشفقہ و مکرمہ والدہ محترمہ! حجرہ کے اندر سے مجھے کسی مردار اور بد بودار چیز کی سخت بد بو آ رہی ہے، میں نے سوچنے کے بعد عرض کی کہ آپ کے حجرے میں مردار چیز کہاں سے آئی، مگر سوت کے چند تار میں نے اس غرض سے رکھے ہیں کہ آپ کے کپڑوں کو سی کر مرمت کروں۔ اس کے بعد اپنی

زبان مبارک سے فرمایا کہ انہی سوت کی تاروں سے بد بو آ رہی ہے، لائیے اور محتاجوں کو صدقہ دیجئے، حاجت کے وقت اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کافی ہے۔

تشریح:

یہی وہ چیز ہے جسے لوگ نہیں سمجھتے اور ان چیزوں پہ اعتراض بھی بہت کیا کرتے ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ پاک نے دونوں نعمتیں عطا فرمائی تھیں، علم اور فقاہت۔ حضرت کو بہت بلند درجہ کا علم بھی حاصل تھا، امامِ وقت تھے، بڑے بڑے اولیاء اللہ ان کے مسلک پر ہیں جیسے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ، یہ حضرات مسلکِ حنبلی پہ ہوئے ہیں۔ اس طرح حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بڑے عالم اور امام بھی تھے، اس کے ساتھ ہی فقراء میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو روحانیت کا بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا۔ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ اُن کے ہاں دونوں قسم کے حضرات آیا کرتے تھے۔ علماء بھی تشریف لاتے تھے، علمی مباحث ہوتے تھے اور فقراء بھی تشریف لاتے تھے، ان کے ساتھ مجلسیں ہوتی تھیں۔ وہ دونوں قسم کے حضرات کا سنگم تھے۔

ایک دن امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک عالم بھی تشریف لائے ہوئے تھے اور ایک صوفی بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ ظاہر بین علماء کی اکثر ان فقراء کے ساتھ چھیڑ چھاڑ رہتی ہے، وہ ان کے ساتھ کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں۔ اُس دن وہ عالم بھی اس صوفی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کے موڈ میں تھے، امام صاحب نے ان کو سمجھا دیا کہ نہ چھیڑا کرو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ مگر ان کو بات سمجھ میں نہیں آئی اور انہوں نے اس صوفی سے پوچھا کہ صوفی صاحب کچھ شریعت کے بارے میں بھی جانتے ہو؟

انہوں نے کہا: مثلاً؟

عالم نے کہا: مثلاً زکوٰۃ کو جانتے ہو؟

کہنے لگے: کون سی زکوٰۃ مال داروں کی یا فقراء کی؟

اس پر تو وہ جھوم گئے کہ یہ کیا بات کی، فقراء کی زکوٰۃ کون سی ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا: دونوں کے بارے میں بتاؤ۔

صوفی نے کہا: ایک تو یہ ہے کہ جب آدمی صاحبِ نصاب ہو تو اپنے مال میں سے ڈھائی فیصد اللہ کے راستے میں دینا واجب ہے، یہ تو امراء کی زکوٰۃ ہے۔

عالم نے کہا: فقراء کی؟

صوفی نے کہا: فقیر کی زکوۃ یہ ہے کہ سارا خرچ کر لے اور رکھنے کی معافی مانگے کہ اتنا رکھا کیوں تھا۔

اس پر عالم نے پوچھا: اس کی دلیل؟

انہوں نے کہا: اس کی دلیل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل ہے کہ وہ اپنا سارا مال آپ ﷺ کے پاس لے آئے اور شکریہ کے طور پہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی آپ ﷺ کے نکاح میں دے دیا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس عالم سے کہا کہ اب بتاؤ، اب کیوں چپ ہو، میں نے کہا نہیں تھا کہ ان کو نہ چھیڑو، لینے کے دینے پڑ جائیں گے؟

واقعتاً بات یہ ہے کہ ہر ایک کے مقام کے لحاظ سے الگ بات ہوتی ہے۔ آپ نبی کریم ﷺ کی زندگی کو دیکھیں، کیا آپ ﷺ نے کبھی مال جمع کیا تھا؟ آپ ﷺ نے زکوٰۃ کے مسئلے تو بتائے ہیں لیکن آپ ﷺ کا اپنا عمل کیا تھا، کیا کبھی آپ ﷺ پر زکوٰۃ فرض ہوئی تھی، کبھی آپ ﷺ نے مال جمع کیا تھا؟ یہاں تک روایات میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں نے جو گوشت تقسیم کرنے کے لئے دیا تھا اس کا کیا ہوا؟ اس پر انہوں نے فرمایا کہ حضرت وہ اتنا تقسیم ہو چکا ہے اور اتنا باقی ہے۔ فرمایا: جو تقسیم ہوا (در حقیقت) وہ باقی ہے۔ اب بتائیں کون سا عالِم اس کے بارے میں کہتا ہے کہ جو تقسیم ہوا وہ باقی ہے۔ کبھی اس کے بارے میں کوئی بات کرتا ہے؟ شاید ہی کوئی کرتا ہو، کبھی اس طرف ذہن بھی نہیں جاتا۔ بس گنجائشوں کی طرف ذہن جاتا ہے کہ اِس کی

گنجائش ہے، اُس کی گنجائش ہے اور اس کی بھی گنجائش ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ وہ حضرات بھی ان کی نقل کریں، یہ بات تسلیم ہے کہ ہم لوگ کمزور ہیں اور ہمارے لئے کمزوروں کا نصاب ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو کمزور نہیں ہیں ہم ان کے اوپر تبصرے کرتے رہیں اور ان کے بارے میں باتیں کرتے رہیں، بلکہ ان کے سامنے ہمارا سر جھکنا چاہیے کہ ہم کمزور ہیں۔ آخر دنیا میں بھی تو ہم ایسا کرتے ہیں کہ اپنی طاقت سے باہر معاملات کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ ہمارے بس کا نہیں ہے، اپنے سے طاقت ور کو دیکھ کر ہم اپنا سر جھکا کے کہتے ہیں کہ آپ ہم سے زیادہ طاقتور ہیں۔ اسی طرح جو دین میں ہم سے زیادہ طاقتور ہوں ان کے سامنے بھی سر جھکا لینا چاہیے۔ اسی میں خیر ہے، بجائے اس کے کہ ہم ان پر باتیں کریں کہ یہ کہاں سے ثابت ہے اور یہ کہاں سے ثابت ہے۔

میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ کی تو شان بہت زیادہ اونچی ہے، ہم ان کے بارے میں تصور بھی نہیں کر سکتے، وہ تو نبی ہیں اور خاتم النبیین ہیں، ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کو دیکھ لیں، غریب صحابہ کی بات نہیں کر رہا ہوں مال دار صحابہ کو دیکھ لیں، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دولت کے ساتھ کیا کیا، کیا اپنے اوپر لگایا؟ ان کا کاروبار تو ایک قسم کی چوکیداری تھی، وہ اپنی دولت کی چوکیداری کرتے تھے اور لوگوں پہ لگاتے تھے، ان کا تو کام ہی یہ تھا۔ اسی طرح حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مال دار صحابہ میں سے تھے۔ البتہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقراء صحابہ میں سے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھیں، وہ امیر تھے لیکن ان کی حالت ایسی تھی کہ ان کی ہر ہر بات سے فقر ظاہر ہوتا تھا۔ پتا نہیں لوگ ان کے واقعات کو کیوں نہیں دیکھتے، اور پھر آج کل کے فقراء پر اعتراض بھی کرتے ہیں۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی "**کشف المحجوب**" کو دیکھیں، اس میں حضرت کے کیسے کیسے واقعات ہیں۔

معلوم ہوا کہ اگر ہم لوگ ایک چیز نہیں رکھتے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ چیز ہے ہی نہیں یا وہ چیز ثابت نہیں ہے۔ متن کی عبارت میں حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے

جو فرمایا وہ اپنی شان کے مطابق فرمایا ہے۔ واقعتاً ایسے حضرات کو اللہ پاک بچاتے ہیں۔ ایسے حضرات کے لئے اللہ پاک نے بہت اونچے درجات رکھے ہوتے ہیں۔ لہذا ان کے ساتھ علمی اور کشفی دونوں طرح کی مدد ہوتی ہے۔ علمی طور پر ان کو علمی باتیں مستحضر ہوتی ہیں اور کشفی طور پر انہیں چیزوں کی حقیقت کا پتا چلتا ہے۔ یہ چیزیں کسی علم سے ثابت نہیں ہوتیں۔ جو حضرت نے فرمایا کہ اس سے بو آ رہی ہے؟ یہ علم کی بات نہیں ہے، نہ ہی علم سے یہ چیز سامنے آ سکتی ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک جگہ پر تشریف نہیں لا رہے تھے کیونکہ تکیہ پہ تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ یہ علمی بات نہیں ہے بلکہ کشفی بات ہے۔ آپ ﷺ کو نظر آ رہا تھا کہ فرشتہ نہیں آ رہا۔ اب جن کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہے وہ اس بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں، ان کو خالص علمی باتوں پہ یقین کرنا پڑے گا، وہ اپنے علم پہ عمل کریں گے، لیکن جن کو یہ حیثیت حاصل ہے، ان پر اعتراض نہیں کر سکتے، ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک مقام دیا ہے، انہیں اللہ تعالیٰ نے بچایا ہے، اللہ تعالیٰ ایسے حضرات کو عین وقت پہ سمجھا دیتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا جو میں دیکھتا ہوں اگر تم دیکھ لو تو تم روتے زیادہ اور کم ہنستے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو اللہ جلّ شانہٗ خاص لوگوں کو خاص مقامات میں عطا فرماتے ہیں، انہیں ایسی چیزوں سے آگاہ کر دیا جاتا ہے، لہذا وہ لوگوں کے رہنما بن جاتے ہیں۔ جب یہ چیز ثابت ہو جائے کہ یہ حضرات اس خاص مقام کے حاملین میں سے ہیں، تو پھر ان حضرات کی ایسی باتیں جو وہ اپنی طرف سے فرماتے ہیں، جن کی ہمارے پاس دلیل نہیں ہوتی، ہم ان کے مقام کا لحاظ کرتے ہوئے ان باتوں کو بے دلیل بھی مان لیتے ہیں۔ جیسے فقہ میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دلیل نہیں مانگتے۔ تقلید یہی ہے۔ تقلید کیا چیز ہے؟ تقلید یہی ہے کہ عوام، علماء سے دلیل نہ مانگیں، بس ان کی بات مان لیں۔

ورنہ آپ ذا غور کریں، مثال کے طور پر نماز کو لے لیں، نماز کی کون کون سی چیز کس کس حدیث سے ثابت ہے، یہ بات نہ عوام کو معلوم ہو سکتی ہے نہ ہی عوام اس کے بارے میں پوچھنے کی جرات کر سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں اس کی سمجھ ہی

نہیں ہے۔ انہیں حدیث کی قسموں کا پتا نہیں ہے کہ حدیث کی کتنی قسمیں ہوتی ہیں۔ آپ ان کو بتا دیں گے کہ یہ حدیثِ حَسَن سے ثابت ہے تو وہ کہیں گے، یہ کیا ہے؟

ہر چیز کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے، عوام عوام ہوتے ہیں اور خواص خواص ہوتے ہیں، علماء علماء ہوتے ہیں اور مشائخ مشائخ ہوتے ہیں۔ ہر ایک کا اپنا ایک مقام ہے۔

لہٰذا ایسے حضرات جن کے بارے میں عوام کو دوسرے ذرائع سے پتا چل جاتا ہے کہ یہ اللہ والے ہیں، ان کی باقی چیزیں تمام علمی حالات کے مطابق بالکل صحیح اور مستند ہیں، وہ حضرات ان باتوں کے علاوہ جو کچھ اور بتائیں، عوام تو در کنار، علماء بھی ان کی وہ باتیں مانتے ہیں۔

یہ جس کتاب کا درس ہو رہا ہے، اس کے مصنّف مولانا عبد الحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کون ہیں؟ یہ عالم ہیں اور محض عالم نہیں بہت بڑے نَقّاد عالم ہیں، پہلے بڑی تنقید کیا کرتے تھے لیکن جب ٹھوکریں کھائیں تو پتا چل گیا کہ بات تو اور ہے۔ انہوں نے یہ کتاب حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد لکھی ہے۔ اس میں کچھ ایسی باتیں بھی لکھی ہیں جن پر حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں اِنہوں نے تنقید کی تھی، پھر بعد میں ان کو پتا چلا کہ ان باتوں میں تو والد صاحب صحیح تھے، اس قسم کی مختلف باتیں جمع ہوتی گئیں۔ والد صاحب کی وفات کے بعد انہیں احساس ہوا کہ یہ کیا ہے، تب انہوں نے یہ کتاب لکھی۔

مقصد یہ ہے کہ ہمیں ان چیزوں سے سیکھنا پڑے گا۔ سوت کی تاروں سے جو بد بو آ رہی تھی وہ کشفی تھی علمی نہیں تھی۔ علمی لحاظ سے ان سے فائدہ اٹھانا جائز تھا کیونکہ وہ بطور ہدیہ پیش کی گئی تھیں اور علمی طور پر ہدیہ سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن زہد میں یہی دیکھا جاتا ہے کہ آپ کس پر بھروسہ کرتے ہیں؟ جو موجود ہے اس پر یا اللہ پر؟ جن کو اس بات پر پختہ یقین ہوتا ہے کہ مجھے جو چیز چاہیے ہو گی وہ عین وقت پہ مل جائے گی، ان کو جمع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ لہٰذا ان باتوں پہ خوب غور کرنا چاہیے۔ آگے فرماتے ہیں:

متن:

محتاجوں کو صدقہ دیجئے، حاجت کے وقت اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کافی ہے۔

تشریح:

کیا یہ جواب وہی نہیں جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا تھا کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ کا نام اور آپ ﷺ کافی ہیں۔ یہی بنیادی بات ہے۔

متن:

آپ کی والدہ صاحبہ نے وہ تار باہر نکال کر صدقہ فرمائے اس کے بعد حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ حجرہ مبارکہ کے اندر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو گئے۔ حضرت صاحب نے اس مقولہ پر عمل کرنا اختیار کیا تھا کہ **"تَرْكُ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ عِبَادَةٍ"** کہ دنیا کو ترک کرنا ہر قسم کی عبادت گذاری کی اساس ہے اور اس پر عمل فرما کر ہمت کے میدان میں عالی ہمتوں سے سبقت لے گئے تھے اور حق کو مرکزِ نگاہ بنا کر غیرِ حق سے آنکھیں موڑ لی تھیں۔ نہ تو کسی سے کوئی چیز مانگی تھی، اور نہ کسی چیز کو سنبھال کر رکھا تھا۔

تشریح:

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے اس پر بیعت کی تھی کہ وہ کبھی سوال نہیں کریں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ حالت تھی کہ گھوڑے کے اوپر بیٹھے ہوتے اور کوڑا گر جاتا یا لگام گر جاتی تو گھوڑے سے اترتے، اسے اٹھا کے پھر سوار ہو جاتے، کسی دوسرے سے نہیں کہتے تھے۔ حالانکہ یہ بات جائز تھی وہ کسی دوسرے سے کہہ سکتے تھے کہ مجھے یہ چیز اٹھا کر دے دو لیکن انہوں نے اپنے اوپر سوال نہ کرنے والی بات ایسے نافذ کی کہ اس میں ذرہ برابر بھی سستی نہیں کرتے تھے۔

اصل میں بات یہ ہے کہ ہر شخص کی ایک قلبی حالت ہوتی ہے کہ آپ اس چیز کو کتنے خلوص کے ساتھ دیکھتے ہیں (آج کل کے دور کے لحاظ سے بات کر رہا ہوں) اور

کتنی باریکی کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ ایک ہوتا ہے جواز اور ایک محبت کا تقاضا ہوتا ہے، کسی چیز کا جواز بھی ہے اور دوسری طرف محبت کا تقاضا بھی ہے، ان دونوں میں مقابلہ ہوتا ہے۔ علماء کرام جواز کا رخ دیکھتے ہیں کہ جواز کن کن چیزوں میں ہے۔ اور اہل اللہ حضرات محبت کے تقاضوں کو دیکھ لیتے ہیں کہ محبت کے تقاضے کیا ہیں۔ آپ بتائیں کہ ان دونوں میں سے کون غلطی پر ہے؟ غلطی پر کوئی نہیں ہے، نہ علماء غلطی پر ہیں اور نہ ہی یہ حضرات غلطی پر ہیں، علماء جواز کو لیتے ہیں کہ جو چیز اللہ نے جائز کی ہو اسے کون نا جائز کہہ سکتا ہے۔ لیکن دوسرے حضرات نے وہ چیزیں دوسروں کے لئے نا جائز نہیں قرار دیں، بلکہ انہوں نے صرف اپنے اوپر نافذ کیا ہے، وہ دوسروں کے لئے تو بڑے نرم تھے، ہاں! اپنے اوپر انہوں نے ان چیزوں میں سختی کو نافذ کیا تھا، دوسروں کے لئے تو خوب چیزیں دیتے تھے۔

حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید بڑے مفلوک الحال (غریب) تھے۔ ان کو کسی نے کہا: آپ فلاں جگہ چلے جائیں تو آپ کو روزگار مل جائے گا۔ حضرت کو پتا چلا تو حضرت نے ان کو ایک عصاء دیا اور فرمایا کہ جس کے جسم میں کسی بھی قسم کا بادی درد ہو، اس کے اوپر یہ عصاء رکھو، درد ختم ہو جائے گا۔ اور اس کے پیسے لینے کی اجازت عطا فرما دی کہ تم اس پہ پیسے لے سکتے ہو، یہیں رہو، تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ دیکھیے دوسروں کے لئے تو یہاں تک آسانیاں پیدا کیں کہ ان کو اس پر مجبور نہیں کیا کہ آپ نے بھی یہی کرنا ہے جو میں کر رہا ہوں، لیکن خود یہ حال تھا کہ اپنے لئے ان چیزوں کو اختیار نہیں کیا۔ یہ ان کا اپنا ایک مقام تھا۔

متن:

"اَلدُّنْیَا سُوْقُ الْمُسَافِرِ فَلَیْسَ لِلْعَاقِلِ أَنْ یَّشْتَرِیَ مِنْهَا فَوْقَ الْکَفَافِ"

یعنی دنیا مسافر کا بازار ہے، تو کوئی عاقل اور سمجھ دار شخص اُس میں اپنی حاجت سے زیادہ چیز نہیں خریدتا۔ دنیا کو ترک کر کے اُس سے آگے بڑھ کے قرب اور وحدت کے بساط عالی تک پہنچے تھے۔

تشریح:

قرب سے مراد یہی ہے کہ انسان اللہ کے قریب ہو۔ اس طرح کہ اسے قرب کی وجہ سے اللہ پہ بھروسہ ہو، جیسے انسان کسی بھی چیز کے زیادہ قریب ہوتا ہے تو اس کو جانتا بھی بہت ہے اور اس کے ساتھ تعلق بھی ہوتا ہے۔ اور وحدت کا مطلب یہ ہے کہ جو اللہ کا تھا وہ ان کا بھی تھا۔ وہ اللہ جل شانہ سے لے سکتے تھے بایں طور کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے محبوب تھے کہ انہیں جو کچھ اس وقت چاہیے ہوتا تھا مل جاتا تھا۔

واقعتاً ان حضرات کو اللہ پاک نے اتنا قرب عطا کیا ہوتا ہے اور اتنی قبولیت عطا فرمائی ہوتی ہے کہ ان کے لئے تمام مصائب اختیاری بن جاتے ہیں۔ ایسے حضرات پر جو مصائب آتے ہیں، یہ غیر اختیاری نہیں ہوتے۔ نبی کریم ﷺ سے یہ چیز ثابت ہے کہ آپ ﷺ کو اختیار دیا گیا تھا کہ اگر آپ چاہیں تو اُحد پہاڑ سونے کا بنا دیا جائے اور یہ آپ کے ساتھ چلتا رہے۔ یہ کیسے ہوتا، یہ تو اللہ تعالیٰ کو پتا ہے، جیسے بھی ہوتا بعد میں دیکھتے لیکن اللہ پاک کی طرف سے اس کی پیشکش ہوئی تھی، باقاعدہ فرمایا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو ہم یہ پہاڑ سونے کا بنا دیں اور یہ آپ کے ساتھ چلے۔ آپ ﷺ نے عرض کیا: یا اللہ میرے لئے بس یہی کافی ہے کہ ایک وقت ملے تو شکر کروں دوسرے وقت نہ ملے تو صبر کروں۔ یہ اختیاری زہد ہے غیر اختیاری نہیں ہے۔

اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ آپ ﷺ مجبور تھے تو اس کا خیال غلط ہے، نبی کریم ﷺ مختار تھے، آپ ﷺ کو اللہ پاک نے اختیار دیا تھا، آپ نے اپنی مرضی سے ایک حالت کو اختیار کر لیا تو مختار ہو گئے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے قمیص نہیں پہنی تھی، جسمِ اطہر پر چٹائی کے نشانات نظر آ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دیکھ کر رونے لگے۔ انہیں نبی کریم ﷺ سے محبت تھی۔ عرض کی: یا رسول اللہ قیصر و کسریٰ تو دنیا کے مزے کریں اور دونوں جہاں کا سردار ایسا ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو نہیں چاہتا کہ اللہ تیرے دوست کو سب کچھ وہاں پر دے۔

ذرا سا غور کریں، اللہ تعالیٰ نے کیا مقام عطا فرمایا تھا۔ صحیح بات یہ ہے کہ بعض

چیزوں کی ہمیں سمجھ نہیں آتی۔ تاریخ پڑھتے ہیں، سیرت پڑھتے ہیں لیکن وہ چیزیں سمجھ نہیں آتیں کہ کس پس منظر میں ہوئی تھیں اور کیا باتیں تھیں۔ جب یہ باتیں ہم توحیدی مشائخ سے سنیں گے تب سمجھ آئے گی کہ ان باتوں کا کیا مطلب ہے۔ ورنہ صحیح بات یہ ہے کہ ہم ان چیزوں سے گزر جاتے ہیں، ہمیں پتا نہیں چلتا۔

جب مکہ مکرمہ فتح ہوا، اس وقت نبی کریم ﷺ نے نو مسلموں کی تالیفِ قلب کے لئے ان میں بہت سارا مال و دولت وغیرہ تقسیم کیا۔ لیکن جو انصار صحابہ مدینہ منورہ سے ساتھ آئے تھے، ان کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کیا۔ کچھ نوجوان انصار صحابہ کی زبان سے یہ بات نکلی کہ جب قربانی کا وقت تھا اس وقت ہم ساتھ تھے، اب عطایا وغیرہ دینے کا وقت آیا تو ہماری طرف توجہ نہیں فرمائی گئی۔ یہ بات اڑتی اڑتی آپ ﷺ تک پہنچ گئی، آپ ﷺ ان چیزوں کے بارے میں بہت فکرمند ہوتے تھے۔ آپ ﷺ نے فوراً اعلان فرمایا کہ خیمہ قائم کرو، میں انصار سے کچھ بات کروں گا۔ تمام انصار صحابہ جمع ہو گئے، بوڑھے بھی آ گئے جوان بھی آ گئے۔ آپ ﷺ نے ان کے سامنے بیان فرمایا۔ آپ ﷺ کے الفاظ مبارکہ مجھے یاد نہیں ہیں اس لئے مفہوم عرض کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب آپ کو ہدایت حاصل نہیں تھی اللہ نے مجھے آپ کی ہدایت کے لئے ذریعہ بنایا تھا۔ جب یہ چیز نہیں تھی تو مجھے اس کے لئے ذریعہ بنایا تھا۔ اس طرح مسلسل چند باتیں فرمائیں۔ پھر فرمایا: نہیں! تم یوں کہو کہ جب کوئی آپ کا ماننے والا نہیں تھا اس وقت ہم نے مانا، جب یہ نہیں تھا تو ہم نے ایسا کیا، جب یہ نہیں تھا تو ہم نے ایسا کیا۔ اے انصار! کیا تم اس فیصلہ پہ راضی نہیں ہو کہ لوگ بھیڑ بکریاں لے جائیں اور تم محمد ﷺ کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اس پر ایک کہرام مچ گیا، بڑے تو روتے روتے ہلکان ہو گئے۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! نوجوانوں کی زبان سے بات نکلی تھی، ہم تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، ہمیں تو آپ چاہئیں، دوسری بات کا تو ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

اس انداز میں بات پہنچانا آپ ﷺ کا ہی کام تھا، یہ آپ ﷺ کر سکتے تھے کہ کس کو کس چیز کے لئے مختص کیا گیا ہے، دنیا کے لئے کس کو مختص کیا اور اصل نعمت کے لئے کس کو مختص کیا۔ بعینہٖ اللہ تعالیٰ بھی یہی کرتے ہیں مگر لوگوں کو سمجھ نہیں آتی۔

اب اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ کر رہے تھے، آپ ﷺ نے اپنی بات ظاہر فرما دی تو انصار کو تسلی ہو گئی اور انہوں نے بات کو سمجھ لیا کہ واقعی فیصلے کے لئے قوانین مختلف ہیں، ان کے لئے الگ قانون ہے ہمارے لئے الگ قانون ہے۔ انہیں پتا چل گیا اور انہوں نے مان لیا۔ فقراء کو اسی چیز کا پتا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہمارے لئے الگ قانون ہے، دوسروں کے لئے الگ ہے۔

اگر یہی چیز دوسرے لوگوں کو سمجھ آ جائے تو اس کے بعد ان کی بات کی حیثیت بھی الگ ہو گی، وہ مختلف انداز میں سوچیں گے، وہ اس پر ناراض نہیں ہوں گے۔ حسد تو دور کی بات ہے بلکہ وہ تو اس پر خوش ہوں گے۔ حسد اس وقت ہوتا ہے جس وقت ہم سمجھتے ہیں کہ شاید ہم سے کوئی چیز کمی کر کے لے لی گئی، اللہ کے ولی حسد نہیں کرتے بلکہ وہ تو خوش ہوتے ہیں، کہتے ہیں کہ شکر ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس چیز کے لئے نہیں رکھا۔ جو صحیح معنوں میں فقیر ہوتے ہیں وہ اللہ کے فیصلوں پر خوش ہوتے ہیں۔

لفظ "فقیر" بذات خود بہت گہرا لفظ ہے۔ میرے خیال میں لوگ فقیر کا لفظ صحیح معنوں میں نہیں لیتے۔ مجھے پورا شرح صدر نہیں ہے کہ لوگ لفظ "فقیر" صحیح معنوں میں لیتے ہیں۔ فقیر، محتاج کو کہتے ہیں، جو کسی چیز کے لئے محتاج ہو، جسے کسی چیز کی طلب ہو، جسے ہم طالب کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ﴾ (القصص: ۲۴)

ترجمہ: "میرے پروردگار! جو کوئی بہتری تو مجھ پر اوپر سے نازل کر دے، میں اس کا محتاج ہوں"۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ اس لفظ کو دنیا کے لئے لیا جا رہا ہے یا کسی خاص نعمتِ خداوندی کے لیے لیا جا رہا ہے۔ یہی بات اگر نبی کہتا ہے تو اس کی شان کے مطابق ہو گی، یہی بات اگر صحابی کہیں گے تو ان کے شان کے مطابق ہو گی، یہی بات کوئی ولی اللہ کہیں گے تو ان کی شان کے مطابق ہو گی اور یہی بات ایک عام آدمی کہے گا تو اس کی شان کے مطابق ہو گی۔ لفظ "فقیر" ہر ایک کے لئے بدلتا رہے گا۔ نبی کی شان اور ہے۔ یہ جملہ ﴿رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا، ان کی بات

اور ہے لیکن جب صحابی کہے گا اس کی اپنی شان کے مطابق ہو گا، جب ولی اللہ کہے گا اس کی اپنی شان کے مطابق ہو گا اور عام شخص کی اپنی شان کے مطابق ہو گا۔ اس وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سارے لوگ اپنے آپ کو فقیر کہتے ہیں لیکن ہر ایک کا مطلب الگ ہوتا ہے، مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے آپ کو فقیر کہتے تھے، مولانا فقیر محمد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کے سارے مرید و خلفاء اپنے آپ کو فقیر کہتے تھے اور جو راستہ میں بھیک مانگتا ہے وہ بھی اپنے آپ کو فقیر کہتا ہے اور ہم بھی ان کو فقیر کہتے ہیں تو کیا سارے ایک جیسے ہیں؟ ہر ایک کا ایک جیسا مطلب نہیں ہے۔

آگے فرماتے ہیں:

متن:

اور ما سوی اللہ کو ترک کیا تھا۔ ترکِ دنیا سے یہ مطلب نہیں کہ روپیہ اور اشرفی کو نہ رکھا جائے، بلکہ ترکِ دنیا سے مراد یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کے سوا جو چیز بھی ہو اُس کو ترک کر دیا جائے۔ اے بھائی! خبردار! ایسا نہ ہو کہ تم یہ سمجھو کہ میں نے دنیا اور دنیا والوں کو چھوڑا اس لیے دنیا والے بھی مجھے چھوڑ جائیں گے۔ جو کوئی خدا کی خاطر مخلوق کو چھوڑ رکھے تو مخلوقِ خدا اُس کو نہیں چھوڑا کرتی۔ ایک صحرا میں گڈریا نماز پڑھتا تھا اور بھیڑیا اُس کی بھیڑوں کی رکھوالی کرتا تھا۔ کسی نے اُس سے اس کا سبب پوچھا، تو اُس نے جواب دیا: **"كَمَا صَلَحْتُ مَعَ اللهِ صَلَحَ ذِئْبٌ مَّعَ الْغَنَمِ"** کہ جس طرح میں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ صلح و مصالحت کر لی ہے، اسی طرح بھیڑیے نے بھیڑوں کے ساتھ مصالحت کر لی ہے۔ قطعہ:

نخشبی گریہ ساز پیشۂ خود
تا جہاں زیر خندۂ تو بود

"اے نخشبی! گریہ و زاری کو اپنا وطیرہ اور معمول بناؤ، تاکہ کل تم دنیا اور دنیا والوں پر ہنس سکو"

گر تو در بندگی نکو باش
ہمہ آفاق بندۂ تو بود

"اگر تم بندگی میں کامیاب اور ثابت قدم ہو جاؤ گے تو تمام دنیا تمہاری غلام ہو جائے گی"

میرے عزیز بھائی! اگر کوئی یہ چاہے کہ اس راستے میں قدم رکھے، تو ایسا اور اس انداز میں رکھے جیسا کہ دین کے مردانِ حق نے رکھا تھا۔ اور یہ قاعدہ تب تک معمول نہیں بن سکتا جب تک کوئی شخص دنیا کی محبت اور دنیا سے لطف اندوزی کا خیال دل سے بالکل باہر نکال کر خالی نہ کرے۔ اے درویش! خیال کیجئے! کہ ابلیس اور تم دنیا کی محبت کی وجہ سے جنت سے محروم رہے، اور دنیا کی محبت میں آلودہ ہو کر جنت میں جاؤ گے، یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ سعادت اور نیک بختی کی نشانی یہ ہے کہ عبادت کیجئے اور خوف کھائیے کہ بخشش ہو گی یا نہیں۔ اور شقاوت اور بد بختی کی علامت یہ ہے کہ گناہ کر کے اُمید رکھے کہ آخر وہ بخشا جائے گا۔ اے درویش! مردانِ حق نے ہمیشہ یہ کام اس انداز سے کیا ہے کہ اپنے آپ کو ہر گھڑی اپنی اور لوگوں کی نظروں میں خوار و ذلیل رکھا ہے۔ کسی وقت میں ایک طائفے نے یحییٰ بن معاذ سے کہا کہ ہم کو نصیحت کریں، تو آپ نے فرمایا کہ **"كُوْنُوْا عِبَادًا بِأَفْعَالِكُمْ كَمَا كُنْتُمْ عِبَادًا بِأَقْوَالِكُمْ"** "اپنے افعال و کردار میں ایسے بندے بن جاؤ جیسا کہ تم اپنے قول و گفتار سے بندے بنے پھرتے ہو"

تشریح:

اپنے قول و فعل کو ایک کر لو۔ تم جیسے اپنے آپ کو کہتے ہو اس طرح خود بن جاؤ۔

قال را بگزار مردِ حال شو
پیشِ مردِ کاملِ پامال شو

متن:

ہاں ایسے رہو جیسے کہ تم دکھائی دے رہے ہو، اور ایسے دکھائی دو جیسے کہ رہتے اور زندگی بسر کرتے ہو۔ اور ایسا کرنا بہت بڑا کام ہے۔ حکماء نے فرمایا ہے:

"كَانَ النَّاسُ عَلٰى أَرْبَعَةِ فِرَقٍ: اَلْفِرْقَةُ الْأُوْلٰى كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ وَ لَا يَقُوْلُوْنَ ثُمَّ

صَارُوْا يَقُوْلُوْنَ وَ يَفْعَلُوْنَ ثُمَّ صَارُوْا يَقُوْلُوْنَ وَ يَقُصُّوْنَ ثُمَّ صَارُوْا يَقُوْلُوْنَ وَ لَا يَفْعَلُوْنَ"

"**لوگ چار قسم کے تھے:** پہلی قسم وہ ہے جو عمل کرتے تھے مگر کچھ نہیں کہتے تھے،

تشریح:

خاموشی کے ساتھ۔ Acting silence

متن:

پھر وہ ایسے ہوئے کہ کہتے تھے اور کرتے تھے،

تشریح:

جو کہتے تھے وہ کر بھی جاتے تھے۔

متن:

پھر وہ ایسے ہوئے کہ کہتے تھے لیکن افسانے بناتے تھے، پھر ایسے ہوئے جو کہتے تھے مگر کرتے نہیں تھے"

ہمارے شیخ صاحب ہمیشہ بھوکے رہا کرتے تھے اور پیٹ بھر کر نہیں کھاتے تھے "**لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الدُّنْيَا جَعَلَ فِي الْجُوْعِ الْعِلْمَ وَالْحِكْمَةَ وَجَعَلَ فِي الشِّبَعِ الْجَهْلَ وَالْمَعْصِيَةَ**" یعنی جب سے اللہ تعالیٰ نے دنیا بنائی ہے، تو علم و حکمت کو بھوک میں پیدا کیا ہے اور جہل و معصیت کو بھرے پیٹ میں تخلیق کیا ہے۔ بھوک کا ثمرہ رحمانی ہے اور بھرے پیٹ کا نتیجہ شیطانی ہے۔

تشریح:

ہم لوگ اس پہ تھوڑا سا مذاکرہ کر لیں۔ یہ جو فرمایا کہ "بھرے پیٹ میں شیطانیت ہے اور خالی پیٹ میں رحمانیت ہے"، ذرا اس کی وضاحت ہو جائے۔ اس کا معنیٰ ہم وہ

لیتے ہیں جس کو سائنس کی زبان میں Required output کہتے ہیں۔

اگر ہم input یہ لیتے ہیں کہ بہت کم کھاتے ہیں تو زندہ نہیں رہتے، کیونکہ اتنی روحانیت ہے ہی نہیں کہ اس کے بغیر زندہ رہیں۔ لہٰذا اتنا کم نہیں کر سکتے، تو پھر ہمیں یہ کرنا ہو گا کہ اس کو تھوڑا سا بڑھا لیتے ہیں، تھوڑا سا بڑھا کے دیکھو کہ اب زندہ رہ سکتے ہو یا نہیں، جسم کی طلب اور حالت سے معلوم ہو جائے گا کہ میں اتنا مجاہدہ برداشت کر سکوں گا یا نہیں۔ اگر جسم کا تقاضا یہ ہے کہ ابھی بھی کم ہے، تو اس سے کچھ اور بڑھا لو، اس طرح بڑھاتے جاؤ یہاں تک کہ جسم کہنے لگے کہ اب میں برداشت کر سکتا ہوں۔ اس کے بعد اسی پہ قائم رہو۔

یہ عملی حل ہے، کسی میں پہلے سے روحانیت بالکل ہی موجود نہ ہو تو اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ مجاہدے میں اضافہ کیا جائے۔ جیسے جیسے روحانیت آ جائے گی، مجاہدے کی برداشت شروع ہو جائے گی۔ یہ اختیاری ہے وہ غیر اختیاری ہے۔ یہ جو اختیاری ہے، یہ ہمارا مجاہدہ ہے اور جو غیر اختیاری ہو وہ مجاہدہ نہیں ہے، لیکن چونکہ وہ مجاہدہ کی بنیاد پر ملا ہے اس لئے اس کو مجاہدہ ہی شمار کر لیا جاتا ہے۔ جیسے نفسِ مطمئنہ میں مجاہدہ نہیں رہتا لیکن اجر بہت زیادہ ملتا ہے۔

جب مجاہدہ شروع کیا جاتا ہے تب جسم کا تقاضا زیادہ ہوتا ہے۔ ایک تو زندہ رہنے کا تقاضا ہوتا ہے اور ایک عیش کرنے کا تقاضا ہوتا ہے۔ عیش کرنے کا تقاضا تو کبھی پورا نہیں ہو گا، اس کے بعد ضرورت کا تقاضا ہے، مجھے معلوم ہے کہ ضرورت کا تقاضا کتنا ہے، میں اپنے جسم کا وہ ضروری تقاضا پورا کر دیتا ہوں، اس سے زیادہ تقاضا پورا نہیں کرتا، یہ میرا مجاہدہ بن جائے گا، اس مجاہدہ سے مجھے روحانیت ملے گی، جب روحانیت ملے گی تو چونکہ روحانیت کی وجہ سے میری ضرورتیں کم ہو رہی ہیں، لہٰذا جسم کی ضرورتوں میں بھی کمی آ جائے گی کیونکہ روحانیت کا کچھ حصہ انرجی میں تبدیل ہو چکا ہو گا، جس سے کمی پوری ہو جائے گی، نتیجتاً میری ضرورت کم ہو جائے گی اور کم کھانے پہ گزارا ہو جائے گا۔ اللہ کے ولی بہت کم کھاتے تھے، نا قابلِ یقین حد تک کم کھاتے تھے، اس کی وجہ یہی تھی کہ مجاہدہ کر کر کے انہوں نے اپنی ضرورت کو اتنا کم کر دیا تھا کہ اب

ان کو مسئلہ نہیں ہوتا تھا۔ جب انسان کا پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے اور نفس بپھرا ہوا ہوتا ہے تو شیطان کو وسوسہ ڈالنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے، وہ نفس کی خواہش کے مطابق وسوسہ ڈال دیتا ہے، نتیجتاً انسان سے گناہ ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات خوب واضح ہو گئی کہ بھرے پیٹ میں شیطانیت کیسے ہوتی ہے؟

انسان جو مجاہدہ کرتا ہے، اگر آپ وہ مجاہدہ نہ کریں تو آپ روحانی مقامات حاصل نہیں کر سکتے، یہ نا ممکن ہے۔ البتہ جن حضرات نے مجاہدہ کو متروک کیا، انہوں نے جسم کی کمزوری کی بنیاد پر متروک کیا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ اب لوگوں میں اتنی طاقت نہیں رہی کہ وہ برداشت کر سکیں، لہذا انہوں نے مجاہدہ کو متروک کر دیا۔ لیکن میں پورے احترام کے ساتھ عرض کروں گا کہ یہ مشائخ اجتہادی خطا پر تھے۔ اس وقت صورتحال یہ ہے کہ مجاہدہ ترک کرنے کے نتائج بہت خطرناک بر آمد ہوئے ہیں۔ یہ تو کیا جا سکتا تھا کہ جو آپ کی ضرورت ہے اور جو آپ کی خواہش ہے، اس کے درمیان کافی فرق ہے، آپ کو آپ کی ضرورت کے مطابق مطلوبہ قوت حاصل ہے۔ یا تو کوئی یہ کہہ دے کہ ہماری ضرورت اور خواہش میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لیکن یہ بات خلافِ واقعہ ہے۔ ضرورت اور خواہش میں فرق تو ہے۔ آپ کا مجاہدہ یہ ہوا کہ جو خواہش کا تقاضا ہے اسے مت مانو، نفس کو صرف ضرورت کے تقاضے تک محدود رکھو۔ ضرورت کے تقاضے سے کمی مت کرو، اور خواہش کی طرف مت جاؤ، اس طرح مجاہدہ مشکل نہیں ہو گا اور آپ کے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔ اور یہ بات ہم خوب جانتے ہیں کہ ضرورت کا تقاضا کتنا ہے، اور کہاں سے بات خواہش کی طرف جاتی ہے۔

ہمارے ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ ہمارے پروفیسر حضرات اپنا وزن کم کرنے کے لئے سارا دن دو سلائس کھا کر گزارتے ہیں اور بڑے چاق و چوبند رہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے جسم کی ضرورت ہی اتنی ہے، اس کے علاوہ جو ہم مکھن وغیرہ لگاتے ہیں وہ ضرورت نہیں، خواہش ہے۔ یہ میں نے آپ کو کسی صوفی کی بات نہیں بتائی بلکہ ڈاکٹر کی بات کر رہا ہوں۔ ڈاکٹری نقطۂ نظر سے بات بتائی ہے تصوف کے نقطۂ نظر سے نہیں بتائی۔ معلوم ہوا کہ اگر ڈاکٹری کی ضرورت کے پیش نظر اس چیز کو

استعمال کیا جا سکتا ہے تو تصوف جو کہ روحانی ڈاکٹری ہے اس کے لئے اِس کو کیوں نہیں استعمال کیا جا سکتا، بالکل کیا جا سکتا ہے۔

لہٰذا مجاہدہ متروک نہیں ہوا، ہاں اس میں ایسی ترمیم ضرور کی جا سکتی ہے، کہ اتنی قوت برقرار رہے جو آپ کے لئے ضروری ہے، اتنی قوت نہیں کہ جس سے آپ پہلوانی کر سکیں۔ اس وقت آپ سے پہلوانی کی قوت مطلوب نہیں ہے بلکہ آپ کے لئے اتنی قوت کافی ہے جس سے آپ زندہ رہیں، اپنے نارمل کام کر سکیں، ہم نے پہلوان تو نہیں بننا، اگر بننا بھی ہے تو بعد میں بن جانا، پہلے اتنی روحانیت حاصل کر لو پھر پہلوان بھی بن جاؤ تو کوئی مسئلہ نہیں، لیکن فی الحال کم از کم روحانیت تو حاصل کرو جس سے ضرورت کے تقاضے سے زیادہ نفس کی ماننے سے بچ سکو۔

میں آپ کو ایک روحانی لطیفہ سناتا ہوں۔ ہمارے پاس لوگ آتے ہیں، اچھے بھی آتے ہیں برے بھی آتے ہیں، بوڑھے بھی آتے ہیں نوجوان بھی آتے ہیں۔ جس بچے نے ہمارے ساتھ روحانی تعلق قائم کیا ہو ان کے والدین کے ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ اب یہ بچہ ٹاپ کرے گا تب تو یہ بزرگ اور پیر ہیں اور اگر وہ سکول میں ٹاپ نہیں کرے گا تو یہ اس سلسلہ کی کمزوری ہے، حالانکہ اگر بچہ ہمارے پاس نہ بھی آتا تو ٹاپ نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ بچوں کی حدود ہوتی ہیں، ہر کوئی ٹاپ کرنے والا نہیں ہوتا۔ اگر بچہ کے ماں باپ پہلے اس کی درجہ بندی کر لیتے تو شاید اس کے لیے یہاں نہ آتے، مثلاً انہوں نے درجہ بندی کی اور وہ بچہ دو ہزارویں مقام پہ آیا، اب اگر وہ ہمارے پاس آنے کے بعد تین ہزارویں مقام پہ آ جائے تب تو یہ ہماری کمزوری ہوئی لیکن اگر وہ پندرہ سو کے مقام پہ چلا جائے تو یہ بہتری ہو گی یا کمی ہو گی؟ یقیناً بہتری ہو گی لیکن والدین کہیں گے کہ اس نے تو ٹاپ کرنا تھا اب یہ پندرہ سو کے مقام پہ کیوں آ گیا ہے۔ یہ شیطان کا دھوکہ ہے۔ بلکہ لوگ چپ ہی اس لئے ہوتے ہیں کہ ہمارا کام مفت میں ہو جائے گا، پیر کے پاس چلے جاتے ہیں کہ پیر صاحب کوئی پھونک ماریں گے اور بچہ ٹاپ کر لے گا۔ اگر ٹاپ نہیں کیا تو کوئی گڑبڑ ہے۔ ہاں! گڑبڑ تو ہے، لیکن وہ گڑبڑ کون سی ہے، یہ بھی ہمیں اچھی طرح پتا ہے ہم بھی بچے نہیں ہیں۔ یہ چیزیں ہوتی ہیں۔ اللہ کے ساتھ

دھوکہ نہیں کر سکتے حقیقت مان لو تو اچھی بات ہے۔

میں عرض کر رہا تھا کہ ایک شخص کو اپنے نارمل کاموں کے لیے جتنی انرجی چاہیے، اگر مجاہدہ کے باوجود اتنی انرجی حاصل ہو جائے اور اس مجاہدہ کی وجہ سے اس کو روحانیت بھی حاصل ہو جائے تو وہ فائدے میں جا رہا ہے یا نقصان میں جا رہا ہے؟ یقیناً وہ فائدے میں ہے۔ لہٰذا ہمارا شرحِ صدر یہ ہے کہ آج کل مجاہدہ متروک نہیں ہے، ہاں اس میں ترمیم ضرور کر لینی چاہیے۔ اس طرح کہ مجاہدہ سے جو کمی آتی ہے اسے دوسرے وقت میں پورا کر لو، اس طرح وہ کمی دور ہو جائے گی۔ جیسے Sine wave ہوتا ہے، اس طرح اس کو چلاؤ۔ آپ کا کام ہو رہا ہے، ساتھ ساتھ روحانیت حاصل ہو رہی ہے۔

Sine wave چھوٹا ہوتا جاتا ہے

اسی طریقے سے آپ کی مجاہدے والی کمی تھوڑی ہوتی جائے گی اور آپ stable (مستحکم) ہو کر کام کریں گے۔ یہ تصوف میں انجینئرنگ ہے۔ اس ذریعہ سے ہم روحانیت کے ساتھ مستحکم حالت حاصل کر سکتے ہیں اور یہی مطلوب ہے۔ علاج یہی ہے۔ بزرگی مطلوب نہیں ہے کیوں کہ شیطانیت سے بچنا ہے۔ نفس بھرا ہوا ہے، پیٹ بھرا ہوا ہے اور نفس کی ساری خواہشیں پوری ہیں تو نفس و شیطان مکمل زور پر ہیں۔ ان سے بچنے کے لئے ہمیں بتدریج ایک stable (مستحکم) حالت پہ آنا ہے۔ جب stable (مستحکم) مقام پہ آ گئے، اب آپ کے اوپر نفس حاوی نہیں رہے گا۔ آپ کے جسم اور نفس کے تقاضے میں توازن آ گیا ہے، یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ایڈجسٹ ہو گئے ہیں۔ اب آپ عام زندگی محفوظ گزار سکیں گے۔ جس وقت لائن سیدھی ہو گئی تو نفس مطمئنہ ہو گیا، اب کوئی مسئلہ نہیں رہے گا۔ یہی تصوف ہے۔

حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا علم عطا فرما دیا۔ کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اس قسم کی باتیں بھی ہمارے ذہن میں آئیں گی۔ یہ بزرگوں کی برکت ہوتی ہے۔ آپ اندازہ کر لیں کہ:

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ان اشعار میں صحبتِ صالحین کی ترغیب دی گئی ہے لیکن فرماتے ہیں کہ صالحین کی کتابیں ان سے ملاقات اور صحبت کی قائم مقام ہوتی ہیں۔ اس دور میں حضرت مجدد الف ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہیں ہیں، اگر کوئی ان کے ساتھ ملنا چاہے تو نہیں مل نہیں سکتا۔ لیکن حضرت مجدد الف ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تو مل سکتی ہے۔ جو ان سے ملنا چاہیں وہ ان کی کتاب کی صحبت میں چلے جائیں، اس سے بھی فائدہ ہو گا۔ اسی طرح حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمیں نہیں مل سکتے لیکن ان کی کتابوں کے ذریعے ہم کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں جا سکتے ہیں، اس کا فائدہ حاصل کر سکتے ہیں، جیسا کہ آج اس کا فائدہ محسوس ہو رہا ہے۔

بزرگوں کی صحبت کا فائدہ اٹھانے کے لئے ہمارے ہاں تین مجالس منعقد ہوتی ہیں، مثنوی شریف کا درس، حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مقاماتِ قطبیہ کا درس اور حضرت مجدد الف ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کا درس۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان دروس سے بہت زیادہ برکات نصیب فرمائے۔ آمین۔

آگے فرماتے ہیں:

متن:

جہل و معصیت کو بھرے پیٹ میں تخلیق کیا ہے۔ بھوک کا ثمرہ رحمانی ہے اور بھرے پیٹ کا نتیجہ شیطانی ہے۔ علم و حکمت کی سعادت بھوک میں اور جہل و گنہگاری کی بد بختی اور شقاوت سیری اور شکم پُری میں لکھی گئی ہے۔

سلک سلوک میں لکھا گیا ہے کہ کامل وہ شخص ہے جس کا دنیا میں کوئی حصّہ نہ ہو۔ شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ سو اشرفیاں دجلہ میں پھینک دیں، لوگوں نے پوچھا یہ کیا کیا؟ انہوں نے جواب میں فرمایا: "مٹی پانی کے لیے بہت بہتر تھی" لوگوں نے کہا کہ کسی کو کیوں نہ دیا؟ فرمایا: "جو چیز اپنے لیے جائز اور پسند نہ ہو، وہ دوسروں کے لیے بھی

جائز اور پسند نہ جانو، اگر یہ اچھی چیز ہوتی تو میں اس کو دریا میں نہ ڈالتا"۔ ہاں سوچنے کی بات ہے کہ جس کسی کے پیچھے ملک الموت جیسا دشمن لگا ہو، اگر وہ دنیا کے کاموں میں مشغول رہے تو اس سے زیادہ نادان اور بے سمجھ کون ہو گا۔

تشریح:

یہ ان کا حال تھا۔ جس پر حال طاری ہو وہ شخص معذور ہوتا ہے۔ ابھی جو ضرورت اور خواہش کی بات ہوئی ہے، اِس واقعہ کو اُس کی روشنی میں دیکھیں تو بات مزید واضح ہو جائے گی۔ اگر کوئی سہولت ہو، مال و دولت ہو تو مجاہدے کے لیے اسے ضرورت کے درجے میں تو استعمال کیا جا سکتا ہے، خواہش کے درجے میں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اگر شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ ان اشرفیوں کو دو ہزار فقیروں میں بانٹ دیتے جس سے ان کی ضرورتیں پوری ہو جاتیں تو خواہش والی بات نہ رہتی، ضرورت کے درجہ میں بات پوری ہو جاتی۔ اس لئے اصل میں تو ان اشرفیوں کو کسی ایسے مصرف پہ خرچ کرنا چاہیے تھا، لیکن اُس وقت اُن کے اوپر حال طاری تھا اور وہ حال بہت اونچا تھا۔ اس اونچے حال کی وجہ سے انہوں نے وہ عمل کیا جو اس حال کا تقاضا تھا۔ بہرحال جب بھی وہ اس حال سے باہر آتے تو یہی کرتے جو میں عرض کر رہا ہوں۔ کیونکہ حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ درہم و دینار ایمان کو بچاتے ہیں، بعض دفعہ مال نہ ہونے کی وجہ سے ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ سب لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے۔ اس وجہ سے اگر اس واقعہ کو شیخ شبلی کے خاص حال پر محمول کر لیں، تب تو بات سمجھ میں آتی ہے لیکن اگر اس کو علم کی کسوٹی پہ پرکھیں تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر ہمارے اوپر وہ حال طاری نہیں ہے تو ہمیں اس طرح نہیں کرنا اور اگر حال طاری ہو گا تو وہ اپنے مطابق خود ہی کروا دے گا، ہمیں اس میں سوچنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔

متن:

روایت ہے کہ "خائف" وہ شخص ہوتا ہے جو کہ ابلیس سے زیادہ اپنے نفس سے ڈرتا رہے۔ کیونکہ ابلیس انسان سے جدا ہوتا ہے اور نفس انسان کے ساتھ متصل ہوتا ہے۔ اور عاقل شخص نزدیک کے دشمن سے دور کے دشمن کی نسبت زیادہ ڈرتا ہے۔

اور اسی لیے جب بادشاہ لوگ کسی کو ہلاک کرنا چاہتے ہوں تو پہلے قریب والے کو ہلاک کر ڈالتے ہیں۔

میرے عزیز! نفس کے مکر و فریب سے اللہ تعالیٰ کی عنایت کے پردے کے بغیر بچا نہیں جاتا۔ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ درویشی کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ جو اپنی تکالیف گوشے میں چھپائے رکھے، اور کسی سے شکایت نہ کرے۔

تشریح:

یہ دل کی درویشی ہے کہ اپنی تکالیف پردوں میں چھپائے رکھے اور کسی سے شکایت نہ کرے۔ یہ بہت اہم بات ہے۔ واقعتاً یہ کوئی مغلوب الحال شخص ہی کہہ سکتا ہے ورنہ ایسا کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ اپنی تکالیف کو چھپانا آسان کام نہیں ہے۔ چھپانے سے مراد یہ ہے کہ کسی طریقے سے بھی ظاہر نہ کرے، صرف بات کے ذریعے سے ہی نہیں بلکہ کسی بھی طریقے سے، اشارے کنائے سے بھی ظاہر نہ کرے۔ یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر کوئی نفل روزہ رکھے تو اپنے ہونٹوں پر تھوڑی سی چکنائی لگا لیا کرے تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس نے روزہ رکھا ہوا ہے۔ کہتے ہیں نفلی صدقہ ایسے دو کہ ایک ہاتھ سے دو تو دوسرے ہاتھ کو پتا نہ چلے۔ مشکلات کو بھی اسی طریقے سے چھپانا ہے تاکہ کسی اور کو کسی طریقے سے پتا نہ چلے۔

ہمارے ہاں تو معاملہ ہی مختلف ہے۔ ایک دفعہ میں سرکاری وزٹ پر کراچی گیا تھا۔ کراچی کینٹ میں JBS ہوٹل ہے، وہاں ٹھہرا۔ وہاں کے سٹاف وغیرہ کو پتا تھا کہ یہاں زیادہ تر سرکاری افسر ہی ٹھہرتے ہیں۔ وہاں ایک بیرا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان لوگوں کے مسائل تو ہوتے ہیں کیونکہ ان کی تنخواہیں بہت تھوڑی ہوتی ہیں، ان کا زیادہ کام tip پہ چلتا ہے بلکہ بعض اوقات مالک لوگ انہیں کہتے ہی یہی ہیں کہ تنخواہ تو tip ہی ہے۔ میں صبح سویرے نماز کے لئے جا رہا تھا، میں نے دیکھا کہ بیرے نے راہ داری میں مصلیٰ بچھایا ہوا ہے، اور اس پر بیٹھا اونچی آواز میں دعا کر رہا ہے کہ یا اللہ میرا یہ مسئلہ ہے، میرا یہ مسئلہ ہے، میں بے روزگار ہوں مجھے روزگار عطا فرما دے۔ میں یہ دیکھ کر مسکرایا اور سوچا کہ اگر یہ میرے کمرے میں آ کر مجھ سے بات کر لیتا

تو زیادہ اچھا تھا، میرے پاس آ کے کہہ دیتا کہ میں بے روز گار ہوں آپ میری مدد کر دیں تو یہ زیادہ بہتر طریقہ تھا۔ مجبوری میں انسان بات کر لیتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر میں مدد کر سکتا تو ضرور کرتا، نہ کر سکتا تو کہہ دیتا کہ نہیں کر سکتا کیونکہ انسان ہر ایک کی مدد تو نہیں کر سکتا، ہر وقت ہر ایک کی مدد کرنا انسان کے بس میں تھوڑی ہی ہوتا ہے۔ اگر کوئی سرکاری افسر ہو تو وہ اپنی مرضی سے کر سکتا ہے۔ خیر اگر وہ بیرا ایسا کر لیتا تو زیادہ بہتر تھا لیکن اس نے انداز ایسا بنا لیا جیسے خدا سے مانگ رہا ہے لیکن در حقیقت وہ خدا سے نہیں بلکہ انسان سے مانگ رہا تھا۔

جب معاملہ یوں ہے کہ خدا پر ساری چیزیں ظاہر ہیں تو پھر دوسروں پہ ظاہر کیوں کرتے ہو۔ یہ چھپانا نہیں ہے۔ خدا پر تو ساری چیزیں ظاہر ہیں، اگر آپ دوسروں سے چھپا بھی لیں گے تو خدا سے نہیں چھپا سکتے۔ لہٰذا مخلوقِ خدا پر ظاہر نہ کرو۔

متن:

ابو یزید اکثر مریدوں کو مجاہدے (بھوک وغیرہ) کے لیے کہتے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو وہ جواب دیتے کہ اگر فرعون بھوکا ہوتا تو کبھی بھی ﴿أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ﴾ (النازعات: ۲۴) نہ کہتا۔ کسی موقع پر لوگوں نے آپ سے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ آپ پانی کی سطح پر چلتے پھرتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ اس میں کون سی عزت کی بات ہے؟ ایک تنکا بھی تو پانی کی سطح پر تیرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی نے جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک ہزار اشرفی پیش کی تاکہ وہ انہیں قبول کریں۔ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اُس شخص سے پوچھا کہ اس طرح اور بھی تمہارے پاس ہیں؟ اُس نے عرض کیا کہ ہاں بہت ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ اِن کا بھی تمہارے پاس ہونا بہتر ہے کیونکہ اس قسم کی چیز تم رکھتے ہو اور میرے لیے ان کا رکھنا اچھا کام نہیں،

تشریح:

آپ اس کا بوجھ اٹھا سکتے ہیں، میں اس کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔

متن:

کیونکہ میں اس نوع کی چیز اپنے پاس نہیں رکھتا۔ نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پاؤں کی دو انگلیوں پر نماز پڑھی ہے۔ عبد اللہ ضعیف ایک آدمی تھا کہ سنت میں سے کوئی چیز بھی اس سے فوت نہ ہوئی تھی۔ اس نے چاہا کہ وہ بھی اس قسم کی نماز ادا کرے، ایک رکعت تو اُس نے دو انگلیوں کے سِروں کے سہارے ادا کی، جب دوسری رکعت ادا کرنے کا ارادہ کیا تو اُس نے محسوس کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے محراب سے سر باہر نکالا کہ اے ضعیف! یہ میرا خصوصی فعل ہے اس کو نہ چھیڑ۔

تشریح:

کچھ چیزیں آپ ﷺ کے ساتھ خاص تھیں۔ یہ بہت بڑی فقاہت کی بات ہے کہ آپ ﷺ کی خاص چیزوں اور ان چیزوں میں فرق کیا جا سکے جو امت کے لئے ہیں۔ ہر کوئی ایسا نہیں کر سکتا۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ یہ جو غیر مقلد ہوتے ہیں، بے چارے احمق لوگ، فقاہت سے بالکل خالی، یہ آپ ﷺ کی ان باتوں کی بھی نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو آپ ﷺ ہی کے لئے خاص تھیں، مثلاً نیند میں آپ ﷺ کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا، تو یہ بھی سو جاتے ہیں پھر اٹھ کر نماز شروع کر دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ اس طرح وضو نہیں ٹوٹتا۔ بکواس کرتے ہیں، اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ وہ چیز تو آپ ﷺ کے ساتھ خاص تھی، یہ تمھارے لئے تھوڑا ہی جائز ہے؟

اس کا سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ دیکھا جائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کس چیز کو لیا ہے اور کس کو نہیں لیا؟ اگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اس کو لیا ہے تو امت اس کو لے سکتی ہے، اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہیں لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ امت کے افراد ویسا نہیں کر سکتے۔ جیسے آپ ﷺ نے چار سے زیادہ شادیاں فرمائیں، لیکن کسی صحابی نے چار سے زیادہ شادیاں نہیں کیں۔ اس سے پتا چل گیا کہ یہ کام صرف آپ ﷺ کے ساتھ خاص تھا۔ آج اگر کوئی کہہ دے کہ میں بھی چار سے زیادہ شادیاں کرتا ہوں کیونکہ یہ سنت ہے تو اسے پاگل کہا جائے گا۔ جو کام آپ ﷺ کے لئے خاص تھا تم وہ نہیں کر سکتے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

مختصرات سلوک

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

اَمَّا بَعْدُ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

سوال:

السلام علیکم!

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں ابتداءً جذب سے کام لیا جاتا ہے جیسا کہ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب نمبر 287 میں اور آپ کی تصنیف "حقیقت جذب و سلوک" میں بھی درج ہے کہ جذبِ کسبی اسباق کی ترتیب سے پہلے حاصل ہو جاتا ہے اور جذب وہبی سلوک طے کرنے کے بعد ہوتا ہے۔ تو باقی سلاسل میں جو جذب بعد میں رکھا گیا ہے کیا وہ جذب کسبی ہے؟ کیا ان کو جذبِ وہبی شروع سے ہوتا ہی نہیں؟ یعنی انہیں پہلے طریقِ سلوک طے کرایا جاتا ہے، مجاہدات کرائے جاتے ہیں اور پھر بعد میں ان کو جذب کے راستے لایا جاتا ہے؟ سلسلہ قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور شاذلیہ میں کیا طریقہ ہے؟ یعنی کیا انہیں بھی اسباق کے ذریعے جذب ہوتا ہے یا ان کا جذب غیر اختیاری یعنی جذبِ وہبی ہوتا ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ تمام مشائخ اور بالخصوص شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ آپ بیتی میں فرماتے ہیں کہ ہمارے سلسلے میں شیخ کی محبت بنیاد ہے۔ جذب بھی تو دل کی محبت کا نام ہے یعنی اللہ کی طرف کھنچنا کہ اعمال کرنے کی رغبت، مجاہدہ کرنے کی رغبت اور سلوک طے کرنے کی رغبت ہو۔ شیخ کی محبت سے کیا باقی سلسلوں میں بھی کام لیا جاتا ہے؟ کیونکہ شیخ کی محبت دل کا فعل ہے یعنی شیخ کی محبت اتنی ہوتی ہے کہ شیخ جو کہتا ہے اس پہ عمل کرتے ہیں، مجاہدے کرتے ہیں اور پھر انہیں با قاعدہ جذب کے راستے طے کرائے جاتے ہیں۔ یوں شیخ کی محبت کی بنا پر ان کا سلوک طے ہو جاتا ہے۔

جَزَاکُمُ اللّٰہُ خَیْراً۔

جواب:

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اصل مطلوب تو نفس کی اصلاح ہے جو کہ مشکل ہے۔ کیونکہ اس میں نفس کے خلاف کام کرنا پڑتا ہے۔ نقشبندی حضرات نے اس مشکل کو اس طرح حل کیا کہ جذب وہبی جو سلوک طے کرنے کے بعد محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوتا ہے اس کے مشابہ کسبی طور پر ایک جذب حاصل کیا جاتا ہے، اس کو مقدم کیا۔ لیکن یہ جذب جذبِ وہبی کا قائم قام نہیں ہے بلکہ اس کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ اسی مکتوب میں بقول حضرت مجدد الف ثانیؒ کے یہ محض صورتاً جذبِ وہبی کی طرح ہے نہ کہ حقیقتاً۔ کیونکہ حقیقی جذب تو سلوک طے کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے، اس لئے کہ اس میں عود (واپسی) کا خطرہ نہیں ہوتا۔ لیکن اس صورتاً جذب کا یہ فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ سالک سلوک طے کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور یہی اس کو مقدم کرنے کا مقصد تھا۔ حقیقی جذب نقشبندی حضرات کو بھی سلوک طے کرنے کے بعد محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کا ایک اور فائدہ یہ بھی ہے کہ سلوک کا مجاہدہ صرف اللہ تعالیٰ کی محبت میں ہو مجاہدہ برائے مجاہدہ نہ ہو، کیونکہ اس میں تعلی آ سکتی ہے جو سب کچھ پر پانی پھیر سکتی ہے۔

دوسرے سلاسل جذب کو مقدم نہیں کرتے، البتہ یہ مقصد کسی وجہ سے ان میں سلوک کا شوق ہونے کی وجہ سے پورا ہو جاتا ہے اور یہ ان کے خواص میں ہوتا ہے۔ جو ان کے عوام ہیں ان میں شیخ کی محبت اس کی کفایت کر لیتی ہے۔ جیسا کہ سوال میں بتایا گیا ہے کہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے۔ زیادہ تفصیل اس میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ سے منقول ہے۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ سالکین کی تین قسمیں ہیں۔ اخیار، ابرار اور شطاریہ۔ حضرت نے فرمایا ہے کہ اخیار وہ لوگ ہیں جو اتنی سوچ تو رکھتے ہیں کہ ہماری اصلاح ہونی چاہیے۔ البتہ اِس کے لئے شیخ کی ضرورت کو نہیں سمجھتے اور وہ خود ہی اپنی قوتِ ارادی کے ذریعے سے علم بھی حاصل کر لیتے ہیں اور اپنی قوتِ ارادی کے ذریعے سے اپنے نفس کی مخالفت بھی کر لیتے ہیں اور شریعت کے احکامات پر اپنے خیال میں سختی کے ساتھ پابندی بھی کرتے ہیں، نتیجتاً ان کو بھی

فائدہ ہوتا ہے۔ لیکن اس طریقے میں مسئلہ یہ ہے کہ دو چیزیں ان کے پاس نہیں ہوتیں جن کی اس میں ضرورت ہوتی ہے، پہلی یہ کہ اُن کے پاس شیخ کی رہنمائی نہیں ہوتی، لہٰذا عین ممکن ہے کہ اپنے لئے کوئی مشکل راستہ تلاش کر لیں اور اُسی میں رہ جائیں۔ یا اپنے لئے ضرورت سے زیادہ نرم راستہ اختیار کر لیں اور اُس پہ چلتے رہیں اور پہنچیں ہی نہ۔ یا پھر اُن کو راستے کی سمجھ ہی نہ آئے اور کسی غلط راستے پر نکل جائیں۔ جیسے خوارج یا آج کل کے گستاخ جو اہلِ حق کی مخالفت کو توحید کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ ساری چیزیں اِس میں ممکن ہیں۔ اس لئے اخیار والے راستہ میں کچھ لوگ پہنچ بھی جاتے ہیں اور کچھ رہ بھی جاتے ہیں۔ دوسرا راستہ حضرت تھانوی رحمۃ علیہ نے ابرار کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ اخیار کے مقابلے میں ذرا زیادہ محفوظ اور تیز راستہ ہے، کیونکہ اِس میں شیخ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں اور اگر صحیح شیخ ہو تو اُس کے سلسلے کی برکت بھی ہوتی ہے اور ساتھ ساتھ اُن کا تجربہ بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک طرف تجربہ اور دوسری طرف سلسلے کی برکت، ان دونوں کے مل جانے سے وہ کافی آسانی کے ساتھ سلوک طے کر لیتے ہیں جو کہ عام طور پر طے کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ اِس وجہ سے اُن کا راستہ نسبتاً جلدی طے ہو جاتا ہے اور کثیر لوگوں کو اِس طریقے سے فائدہ ہوا ہے۔ لیکن اس ابرار کے طریقے میں لوگ صفات کے ذریعے سے چلتے ہیں۔ کیونکہ یہاں آ کر اپنے شیخ کی صفات کی وجہ سے ان کے معتقد ہوتے ہیں اور اُس کی وجہ سے ترقی کرتے رہتے ہیں اور صفات کے ذریعے سے جو ترقی ہوتی ہے اُس میں کچھ مسائل بھی ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ ایسے لوگ کسی بھی جگہ پہ رک سکتے ہیں، کیونکہ ان کے کسی ایک صفت میں فنا ہونے سے یہ ضروری نہیں کہ وہ فنا فی الشیخ ہو گئے ہوں، بلکہ عین ممکن ہے کہ کسی دوسری صفت میں ابھی فنا نہ ہوئے ہوں اور اس کی وجہ سے غلط فہمی ہو جائے اور کہیں راستے سے رہ نہ جائیں۔

تیسرے وہ لوگ ہوتے ہیں جو ذات کے لحاظ سے چلتے ہیں، یہ شطاریہ بھی کہلاتے ہیں۔ اُن کو اپنے شیخ کے ساتھ محبت ہوتی ہے، ایسے لوگوں کی بڑی عجیب و غریب Terminology (اصطلاح) ہوتی ہے جو اس میں چلتی ہے جو کہ ان لوگوں میں مشہور ہے۔

پیر من خس است ما را بس است

یعنی میرا پیر اگر خس بھی ہے تو میرے لئے کافی ہے۔ وہ پیر کی صفات کو نہیں دیکھتے بلکہ پیر کی ذات کو دیکھتے ہیں، بس اتنی بات اُن کو پہلے سے پتا ہونی چاہیے کہ پیر صحیح ہو اور کامل ہو، اتنی بات پہلے وہ طے کر لیتے ہیں پھر مکمل سرنڈر کر لیتے ہیں اور اس کی ذات کے ساتھ محبت ہونے کی وجہ سے اِس میں فنا ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا شیخ کے ساتھ محبت ہونے کی وجہ سے مشکلاتِ سلوک اُن کے لئے بہت آسان ہو جاتی ہیں۔ یہی جذب ہے، جذب اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اُن کو یہ زبردست جذب اس کے ذریعے سے حاصل ہو جاتا ہے جس سے مشکل سے مشکل کام بھی ان کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ گویا سلوک ابتدا سے طے کرنا اُن کے لئے کوئی مشکل نہیں ہوتا۔ جیسے حضرت عبد الرحیم سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ انگریزی فوج میں سپاہی تھے انہوں نے فوج سے استعفیٰ دیا اور حضرت مولانا عبد الغفور سوات باباجی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ حضرت نے اُن کو کوئی ذکر وغیرہ نہیں دیا۔ بس فرمایا: فلاں وادی میں چلے جاؤ، وہاں پر نماز پڑھتے رہنا اور جو انتظام آپ کر سکیں، اُس کے مطابق کھاتے پیتے رہنا، جب تک میں نہ بلاؤں وہیں رہنا۔ یوں چھ مہینے تک کے لئے ان کو بھیج دیا اور پھر خبر بھی نہیں لی۔ تقریباً سال گزرنے کے بعد اُن کے ساتھیوں کو خیال ہوا کہ حضرت کہیں بھول نہ گئے ہوں، اس لئے حضرت سے کہا تو انہوں نے فرمایا: اچھا بلا لو۔ جب آئے تو بہت کمزور ہو چکے تھے، کیونکہ مجاہدے کر کر کے، پتے کھا کھا کر گزارا کرنا پڑا تھا۔ جب وہ آئے تو ان کو کچھ اذکار بتا دیئے اور وہ ما شاء اللہ چند دن میں کامل ہو گئے۔ کیونکہ تیاری تو پہلے ہی ہو چکی تھی اور پھر خلعت پہنا کر فرمایا: جاؤ اپنے علاقے میں۔ وہاں علماء تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ پھر الحمد للہ رائے پور کی خانقاہ میں بہت بہت سے علمائے کرام اُن سے بیعت ہو گئے۔ یوں اللہ پاک نے اُن سے کام لے لیا۔ چنانچہ جو شیخ میں فنا ہو جاتا ہے، جذب اُس کو پہلے سے حاصل ہو جاتا ہے اور وہ فنا فی الشیخ ہو جاتا ہے، جو اپنے شیخ میں فانی ہے وہ اُسی سے فنا فی الرسول ہو جائے گا اور پھر اس سے فنا فی اللہ کا مقام حاصل کر لے گا۔ سلوک کے مقامات طے کرنا اُس کے لئے بہت آسان ہو گا۔ جیسے حضرت

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ان کا ہاتھ حضرت میاں نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں دے دیا، وہ پھر اُن کے پیچھے پھرتے رہے، جب حضرت کی زیارت ہوئی تو انہیں پہچان لیا کہ یہ تو وہی بزرگ ہیں، اور اُن کے قدموں پہ گر گئے، حضرت نے اُن کو مونڈھے سے اٹھایا اور فرمایا: تجھے اپنے خواب پر بڑا وثوق ہے۔ بس اسی سے ان کا کام بن گیا۔

بہر حال شیخ کامل کے ساتھ محبت ہو تو سلوک طے کرنا کوئی مشکل نہیں ہوتا، کیونکہ اس کے لئے سالک کا ذہنی طور پر سلوک کے لئے تیار ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا جب سلوک کے لئے کسی بھی وجہ سے کوئی تیار ہوجائے، چاہے وہ ذکر اذکار کے ذریعے سے ہو یا شیخ کی محبت کی وجہ سے ہو یا کسی اور طریقے سے ہو، بس اُس کو مطلوبہ شوق حاصل ہو گیا، اب اس کے ذریعے اس کو سلوک طے کرایا جا سکے گا۔ ان شاء اللہ۔

سوال کے دوسرے حصے کا جواب بھی اس میں آگیا کہ مقصود ابتدا میں جذب کا حاصل کرنا نہیں ہے، بلکہ سلوک طے کرنا مقصد ہے، چاہے کسی کو خود اس کی اہمیت کا احساس ہو، تذکیر کے ذریعے سے ہو یا ذکر اذکار کے ذریعے سے شوق پیدا ہو یا کسی شیخ کی محبت کام آئے، اس کو اگر کوئی جذب کہہ دے تو کوئی حرج نہیں ہے بس سلوک کے لئے سالک کا تیار ہونا کافی ہے۔ جو جذب اللہ تعالیٰ محض اپنی فضل سے عطا فرماتے ہیں وہ جذب وہبی ہے۔ اس کے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی بچے کو چلنا سکھایا جا رہا ہو، اس کے والدین اسے زمین پر چھوڑ کر اسے اپنی سمجھ کے مطابق چلنے کو کہہ دیتے ہیں، وہ چلتا ہے، چند قدم چلتا ہے پھر گر جاتا ہے۔ پھر دوبارہ اٹھتا ہے چند قدم چلتا ہے پھر گر جاتا ہے، پھر کوشش کرتا ہے پھر ناکام ہوتا ہے، تو رونا شروع کر دیتا ہے۔ والدین اسے پیار میں اٹھا لیتے ہیں کہ واہ واہ! میرا بچہ چل پڑا۔ حالانکہ اٹھایا خود ہوتا ہے۔ بس اسی طرح جب سالک اپنے شیخ کی نگرانی میں کوشش کرتا ہے اور کچھ چلتا ہے تو پھر کچھ اور رذائل سر اٹھاتے ہیں، پھر کچھ آگے بڑھتا ہے، پھر کچھ اور رکاوٹ آ جاتی ہے، پھر ناکامی کا منہ دیکھتا ہے، منزل کی طرف آگے بڑھتا ہے اور اپنے رذائل اس پر کھلتے ہیں تو وہ سمجھتا ہے کہ میں پیچھے جا

رہا ہوں۔ اس طرح ہوتے ہوتے سلوک کے اس وسیع میدان کو اپنے اوپر تنگ پاتا ہے تو رونا شروع کر دیتا ہے۔ اس دوران جب بھی اس بڑے در سے پیار کا ایک جھونکا آتا ہے تو اس کو اڑا کے کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے۔ اسی کو جذب وہبی کہتے ہیں۔ افسوس قلم اس کو بیان کرنے سے قاصر ہے۔ مولائے عظیم کا کتنا کرم ہے اور ہم کتنے کمزور ہیں۔ لیکن جب وہ اپنی طرف سے اٹھانا چاہے تو پھر کون ہے جو اس کو روکے۔ اسی کو جذبِ وہبی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے۔

کلام

دنیا کے لئے دنیا کے اسباب ہوں اختیار
اور آخرت کے واسطے رہنا بھی ہو تیار

دنیا اگر ہو اس کے مقابل تو چھوڑ دو
ہو اس کے واسطے عقل جو اپنی ہے سمجھ دار

اور اس میں جو جذبات کا عنصر ہے دیکھنا
اس سے بھی بچ کے رہنا عقل پر نہ ہو سوار

پھر نفس کی خبر لینا ضروری بہت ہے سن
اعمال کے لئے ہے یہی نفس ذمہ دار

ان سب کی ہو اصلاح اگر شیخ ہو کامل
شبیر کامیابی اس کے ماننے پر مدار

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ کے شب و روز

الحمد للہ خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ میں حضرت سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم کے دروس و خطبات کا سلسلہ نہایت پابندی کے ساتھ جاری و ساری ہے جس سے طالبانِ حق مسلسل سیراب ہو رہے ہیں۔ دروس کی تفصیل درج ذیل ہے:

روزانہ کے بیانات اور معمولات

1۔ "درسِ قرآن پاک"

2۔ "مطالعہ سیرت بصورتِ سوال"

2۔ درس "ریاض الصالحین"

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ میں روزانہ فجر کی نماز کے بعد حضرت سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم کی طرف سے قرآن پاک کا درس دیا جاتا ہے، اسکے بعد ریاض الصالحین سے ایک حدیث شریف کی تعلیم ہوتی ہے۔ اس کے متصل بعد مطالعہ سیرت بصورت سوال کے عنوان سے سیرت سے متعلق ایک سوال کا جواب دیا جاتا ہے.

3۔ ٹیلی فون پر بات:

روزانہ 2 سے 3 بجے تک کا وقت (سوائے جمعۃ المبارک کے) حضرت شاہ صاحب دامت برکاتہم سے ٹیلی فون پر بات کرنے کے لیے مختص ہے۔

ہفتہ وار ہونے والے بیانات و معمولات:

جمعۃ المبارک:

کسی ایک مسجد میں جمعہ کا بیان، بعد نمازِ عصر ختم قرآن، مجلس درود شریف اور اس کے بعد جمعہ کی آخری گھڑیوں میں دعا

ہفتہ:

ہفتہ بعد از عصر تا اشراق (اتوار) تک مرد حضرات کے لیے خانقاہ میں اصلاحی و

تربیتی جوڑ ہوتا ہے جس میں درج ذیل معمولات کیے جاتے ہیں۔

عصر کی نماز کے بعد انفرادی ذکر۔

بعد نمازِ مغرب حضرت مولانا اشرف سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "سلوکِ سلیمانی" اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تربیت السالک" کا درس، اس کے بعد مجلسِ ذکر و دعا۔

بعد نماز عشاء ختمِ خواجگان، درود شریف کی مجلس۔

حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "اسوۂ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" سے تعلیم، کھانے پینے اور سونے کے آداب کا مذاکرہ۔

تہجد اور انفرادی معمولات

ختمِ قرآن

نمازِ اشراق

اتوار:

خواتین کے لیے دن 11 سے 12 بجے تک خانقاہ میں شرعی پردے کے اھتمام کے ساتھ اصلاحی بیان۔اور مہینے میں ایک مرتبہ صبح 9 سے 12 بجے تک تین گھنٹے کا جوڑ۔

بعد نمازِ مغرب فرض عین علم کی تعلیم اور رات آٹھ بجے انگریزی میں بیان۔

بچوں کے لئے خصوصی تربیتی پروگرام: آج کے اس دورِ پر فتن میں جہاں مسلمانوں کو بہت سے مصائب کا سامنا ہے وہاں ایک بہت بڑا چیلنج اپنے بچوں کی اچھی ظاہری اور باطنی تربیت بھی ہے۔ آج ہمارے بچے انٹرنیٹ، موبائل اور سوشل میڈیا کی گندی ثقافتی یلغار کی زد میں ہیں اور اعمال کے ساتھ ساتھ اب ایمان بچانا بھی مشکل نظر آتا ہے۔ موجودہ دور کے چیلنجز اور تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے بچوں کی بہترین ظاہری اور باطنی تربیت کے لیے خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ کی جانب سے ہفتہ وار آن لائن تربیتی

پروگرام کا انعقاد کیا گیا ہے۔ ہر اتوار کو اس کے لیے زوم کا استعمال کرتے ہوئے لائیو کلاس منعقد کی جاتی ہے جو کہ بعد میں تربیتی پروگرام کے یوٹیوب چینل پر بھی اپلوڈ کر دی جاتی ہے۔ اس تربیتی پروگرام کو تین سیشنز میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا سیشن 1 سے 9 سال کے بچوں کے لیے ہوتا ہے جس میں دلچسپ کہانیوں کے ذریعے بچوں میں بہترین دینی اور دنیاوی اقدار و اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور ساتھ ساتھ ارکانِ اسلام کے بنیادی مسائل سے بھی آگاہ کیا جاتا ہے۔ دوسرا سیشن 10 سے 14 سال کے بچوں کے لیے ہوتا ہے جس میں بچوں میں اچھی عادات اور ذکر و تسبیحات کی تلقین کے ساتھ ساتھ قصص الانبیاء میں سے کچھ واقعات اور ان سے حاصل ہونے والے مفید اسباق بتائے جاتے ہیں۔ تیسرا سیشن 15 سال اور اس سے بڑے بچوں کے لیے ہوتا ہے جس کے اندر بچوں میں اپنی اصلاح کی فکر پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو قربِ الٰہی حاصل کرنے کے طریقے اور مواقع بھی سکھائے اور بتائے جاتے ہیں اور آج کے دور کے تازہ فتنوں کے بارے میں آگاہی اور ان سے بچنے کی تربیت بھی کرائی جاتی ہے۔ اگر آپ اپنے بچوں کی بہترین دینی اور دنیاوی تربیت کے خواہاں ہیں اور اس تربیتی پروگرام میں اپنے بچوں کو شامل کرانا چاہتے ہیں تو مندرجہ ذیل وٹس ایپ گروپ میں شامل ہو جائیں۔ اس گروپ میں کلاس کا لنک اور تفصیلات بتا دی جائیں گی۔ گروپ میں شامل ہونے کے لئے اس نمبر پر بھی رابطہ کیا جا سکتا ہے

گوہر انوار صاحب

03335383171

وٹس ایپ گروپ کا لنک:

https://chat.whatsapp.com/J3mkYpSOK9S72QxvGsYAG2

پیر:

بعد نمازِ عصر پشتو میں بیان، بعد نمازِ مغرب اپنی اصلاح و تربیت کے متعلق (بذریعہ وٹس ایپ، ای میل اور ٹیلی فون پر موصول ہونے والے) سوالات کے جوابات۔

منگل:

بعد نمازِ مغرب درسِ مثنوی شریف۔

بدھ:

بعد نمازِ مغرب درسِ مکتوبات شریفہ حضرت شیخ مجدد الف ثانیؒ۔

جمعرات:

بعد نمازِ مغرب حضرت سید سلیمان ندویؒ کی کتاب "سیرت النبیﷺ" سے درس۔

درود شریف کی مجلس (درودِ تنجینا ایک ہزار مرتبہ، اسکے بعد نعت شریف، چہل درود شریف کی سماعت اور مناجاتِ مقبول سے دعا)

ماہانہ بنیادوں پر ہونے والے بیانات و معمولات:

ہر مہینے میں ایک اتوار کو خواتین کے لیے شرعی پردے کے اہتمام کے ساتھ دن 9 سے 12 تک اصلاحی جوڑ ہوتا ہے جو کہ اس بار 19 فروری 2023 کو ہوا تھا جس میں درج ذیل موضوعات پر بات ہوئی تھی۔

1۔ خواتین کی اصلاح کی اہمیت اور اس کا محفوظ طریقہ کیا ہے؟

2۔ شکر کی فضیلت و اہمیت اور شکر کیسے حاصل ہوگا؟

3۔ فہم التصوف۔

مہینے میں ایک بار ہفتہ کے دن عصر سے اتوار عصر تک خانقاہ امدادیہ جہانگیرہ (صوابی) میں اصلاحی جوڑ۔

جنوری اور فروری کے مہینوں میں پاکستان کے مختلف شہروں میں حضرت کا اصلاحی دورہ ہوا جس میں بیانات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

19 جنوری کو ویمن یونیورسٹی صوابی کی طرف سے شعبہ نفسیات میں حضرت کو بیان کی دعوت دی گئی، بیان کا موضوع تھا

The Role Of Tasawwuf in the Treatment of Psychological Diseases

20 جنوری کو زیارت کاکا صاحب کی دربار مسجد میں حضرت نے جمعہ کا بیان فرمایا۔

22 جنوری کو کلفٹن کراچی کی مسجد ابو بکر صدیق میں تبلیغی حضرات کے لیے بعد از نمازِ مغرب بیان ہوا۔

22 جنوری کو ہی کلفٹن بلاک 1 شیریں جناح کالونی بسم اللہ مسجد میں پشتو کا بیان ہوا۔

24 جنوری 2023

مدرسہ عائشہ صدیقہ کلفٹن بلاک 1 شیریں جناح کالونی کراچی میں مفتی طارق صاحب کے ہاں شام تین بجے مستورات کے لیے اردو اور پشتو میں اصلاحی بیان ہوا۔

25 جنوری 2023

کراچی سے حیدرآباد روانہ ہونے سے پہلے حضرت کراچی ڈیفنس میں واقع حضرت شیخ ہمایوں حنیف نقشبندی مجددی مدظلہ سے ملاقات کیلئے انکی خانقاہ میں تشریف لے گئے۔ اس کے بعد حضرت حیدرآباد کیلئے روانہ ہوئے۔

حیدر آباد میں جامعہ عربیہ مفتاح العلوم جو مفتی حبیب اللہ حقانی مدنی صاحب کا مدرسہ ہے وہاں عصر کے بعد اصلاحی بیان ہوا اور مجلس ذکر ہوئی

جامع مسجد دار العلوم بلاک بی، لطیف آباد میں بعد از مغرب اصلاحی بیان ہوا

جامع مدینہ مسجد لطیف آباد، حیدرآباد میں بعد از نماز عشاء اصلاحی بیان ہوا۔

اسکے بعد جامعہ دار العلوم حیدرآباد کے مہتمم جناب عامل بھائی صاحب نے حضرت سے درخواست کہ ہم اصلاحی تعلق رکھنا چاہتے ہیں اسلئے مکمل طور پر ہمارے مدرسہ پہ آپ سرپرستی فرمائیں اور اس مدرسہ کے اصلاحی معاملات کیلئے زیادہ سے زیادہ یہاں کا

دورہ کریں۔ حضرت اقدس نے اس پہ فرمایا کہ طالب علموں کی تربیت کے لئے ضروری ہے کہ اساتذہ کی تربیت ہو جائے اگر اساتذہ کی تربیت ہو جاتی ہے تو طالب علموں میں اس کا اثر خود بخود ہی آ جائے گا، پھر اسی مجلس میں حضرت نے مفتی حبیب اللہ صاحب کی تشکیل فرما دی کہ ہر مہینے ایک بیان وہ اس مدرسہ میں بھی کیا کریں گے۔

26 جنوری

سکھر میں 25 مدارس کے علما و مفتیانِ کرام کا اجلاس منعقد ہوا جس کا مقصد سکھر شہر کے اوقاتِ نماز کے نقشوں میں سحر و افطار اور نمازوں کے اوقات میں پائے جانے والے تضاد کے حل کیلئے اکٹھے ہونا تھا۔ حضرت اقدس سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتھم نے اس موضوع پر سیر حاصل علمی اور فنی نکات بیان فرمائے۔ تقریبا پونے گھنٹے کے لیکچر کے بعد حاضرین کے سوالات کے جوابات بھی دیئے۔ الحمد للہ حضرت اقدس کی اس علمی و فنی گفتگو کے بعد مقامی علما کے سامنے مکمل صورتحال واضح ہوگئی اور بھرپور اطمینان اور اتحاد کی فضا بن گئی اور ایک نقشہ سحر و افطار پر سب متفق ہوگئے۔

27 جنوری 2023

جمعہ کا بیان صادق آباد میں ہوا۔ اسکے بعد رحیم یار خان میں ارشد صاحب کی رہائش گاہ پر عصر کے بعد خواتین کے لیے اصلاحی بیان ہوا۔ پھر مغرب کے بعد عامر جواد صاحب کی رہائش پر خواتین و مرد حضرات کیلئے اصلاحی بیان ہوا۔

28 جنوری

بھاولپور میں خواتین کے مدرسے جامعہ ھاشمیہ للبنات الاسلام میں دن 11 سے 12 بجے اصلاحی بیان ہوا۔

مدرسہ عثمان بن عفان بہاولپور میں بعد از عصر بیان ہوا۔

مغرب کے بعد مکتبہ تربیت المسلمین بہاولپور جو کہ خواتین کا ہی مدرسہ تھا وہاں پر حضرت کا اصلاحی بیان ہوا۔ اس کے بعد عشاء کا بیان حضرت حاجی محمد اشرف صاحب والی مسجد میں ہوا، وہاں پر کرغستان سے تبلیغی جماعت بھی آئی ہوئی تھی۔ حضرت نے دورانِ ملاقات تبلیغی ساتھیوں کی خوب حوصلہ افزائی فرمائی اور ان سے دعاؤں کی

درخواست کی۔ اس طرح جماعت کے ساتھیوں نے بھی حضرت سے دعاؤں کے لئے کہا۔ بیان میں بھی حضرت نے اس چیز پہ زور دیا کہ دین کی ساری محنتیں الحمد للہ ہماری اپنی ہیں اور ساری محنتیں کرنے والوں کو ایک دوسرے کا خیال رکھنا چاہیے اور ایک دوسرے کی قدر کرنی چاہیے اور ایک دوسرے کا دست و بازو ہونا چاہیے

29 جنوری

بعد از نمازِ فجر ابو بکر صدیق مسجد بہاولپور میں اصلاحی بیان ہوا۔

اسکے بعد لاہور میں عامر عثمان صاحب کی خانقاہ اور رہائش گاہ پر مرد و خواتین کے لیے مغرب کے بعد بیان ہوا۔

30 جنوری

ڈسکہ میں سجاد صاحب کی رہائش گاہ پر دن گیارہ بجے خواتین کے لیے بیان ہوا اور پھر گوجرانوالہ پیپلز کالونی میں مسجد ابو بکر میں بعد از نمازِ ظہر اصلاحی بیان ہوا اور مغرب کے بعد جہلم میں جامع مسجد چلیشم میں بھی اصلاحی بیان ہوا۔

5 فروری کو مدرسہ عائشہ صدیقہ للبنات (ائر پورٹ ہاوسنگ سوسائیٹی) میں ختمِ مشکوۃ شریف اور ریاض الصالحین کے مبارک موقع پر حضرت نے خصوصی اصلاحی بیان فرمایا۔ پھر اسی روز بارہ کہو اسلام آباد میں بنات کے ایک مدرسہ میں ختم بخاری شریف کے موقع پر حضرت نے بیان فرمایا۔

12 فروری کو پشاور میں حضرت حلیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بیٹی کی وفات پر حضرت کا تعزیتی بیان ہوا۔

15 فروری بروز بدھ زیارت کاکا صاحب میں کاکاخیل حضرات کا خصوصی جوڑ ہوا اس میں حضرت کو صدارت دی گئی اور تلاوتِ قرآن پاک کے بعد منتظم مجلس نے جوڑ کا مقصد بیان کیا اور پھر شرکاء نے اپنا تعارف کروایا۔ پھر حضرت نے پشتو زبان میں خصوصی اصلاحی بیان فرمایا اور جوڑ کے اخیر میں خصوصی دعا فرمائی۔

علمائے کرام کیلئے دینی علوم میں تخصص کے بعد عصری علوم سے آگاہی کی اہمیت کو اجاگر کرنے اور اس سلسلے میں قائم کئے گئے ادارۃ العلوم العصریہ (جہانگیرہ) سے

روشناس کرانے کیلئے حضرت نے مختلف شہروں میں اعلیٰ دینی مدارس کا دورہ کیا۔ جس میں ادارے کے منتظمین میں سے ڈاکٹر عرفان دلبر صاحب اور محمد نواز صاحب بھی حضرت کے ہمراہ تھے، مزید تفصیل درج ذیل ہے۔

16 جنوری کو جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں الدعوۃ و الارشاد کے طلباء کے ساتھ ادارہ علوم عصریہ کے تعارف و مقصد اور سمتِ قبلہ کے بارے میں بیان ہوا۔

17 جنوری کو درویش مسجد صدر پشاور میں تخصص فی الحدیث کے طلبا میں علوم عصریہ کے بارے میں بیان ہوا، اور اسی روز مفتی سید نعیم بخاری صاحب کے مدرسے جامعہ احسن العلوم نزد پشاور یونیورسٹی میں علوم عصریہ کے حوالے سے بیان ہوا۔

21 جنوری کو جامعہ فریدیہ اسلام آباد میں دورہ حدیث کے طلبا سے خطاب فرمایا۔

23 جنوری کو مفتی اکرام اللہ صاحب بالاکوٹی اور ڈاکٹر سید احمد یوسف بنوری صاحب کے ہاں دن 11 بجے علوم عصریہ کے حوالے سے خطاب فرمایا۔ اسی روز مفتی زرولی خان صاحب کے مدرسے جامعہ عربیہ احسن العلوم میں ظہر کے بعد بیان ہوا۔

24 جنوری کو جامعہ اسلامیہ کلفٹن کراچی میں صبح دس بجے دورہ حدیث کے طلبا میں بیان ہوا۔

خصوصی اعلانات

ان شاء اللہ 04 تا 19 مارچ 2023 ادارۃ العلوم العصریہ (جہانگیرہ) میں مدارس کے اساتذہ اور علماء کے لیے میراث و فلکیات میں مہارت حاصل کرنے کیلئے 15 روزہ کورس کا انعقاد کیا جا رہا ہے جو کہ حضرت سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم از خود پڑھائیں گے۔

3 تا 5 مارچ بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار کو لاہور میں حضرت صوفی محمد اقبال صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء کا سہ روزہ اصلاحی و روحانی جوڑ ہو گا جس میں حضرت سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم بھی شرکت فرمائیں گے۔

بزرگوں کی تحریریں کیوں پڑھنی چاہئیں؟

بزرگوں کی تحریریں اُن کی زندگی کا نچوڑ ہوتی ہیں۔ ہم ہزاروں تجربات کر کے جس چیز تک نہیں پہنچ سکتے ان کی تحریروں سے ہم اُن چیزوں تک آناً فاناً پہنچ سکتے ہیں۔ اس وجہ سے بزرگوں کی ان تحریروں میں ریسرچ کرنا جس سے ہمارا یہ مقصد حاصل ہوتا ہو بہت مفید ہے۔ پھر ان میں مجددین حضرات کا رنگ بالکل الگ ہوتا ہے کیونکہ مجددین حضرات کی تحقیقات عمومی دین کے لئے ہوتی ہیں جو کہ اس وقت کے لوگوں کی سطح کے مطابق پیدا شدہ فروگزاشتوں کو دور کر کے دین کو اصلی صورت میں ظاہر کرتے ہیں۔

اگر صرف ایک آخری مجدد کی اتباع کی جائے تو وہ بھی کافی ہوتی ہے لیکن اگر چند متواتر مجددین کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو اس سے حالات کے مطابق مطلوبہ تبدیلی لانے کا فن آشکارہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس کے بعد اگر کوئی تبدیلی آتی ہے تو اس کے لئے "by the process of extrapolation" حل ڈھونڈنا آسان ہو جاتا ہے۔

اس کتاب میں ہم نے اپنے ان اکابر کے فیوضات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے جو کہ قلب، عقل اور نفس کی اصلاح کے متعلق راہنمائی میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلبی اعمال بہت اونچے تھے جو کہ قلبی واردات والے حضرات کی راہنمائی کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے عقلی اعمال بہت زیادہ اونچے تھے۔ اس وجہ سے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات کا فائدہ اُن لوگوں کو زیادہ ہوتا ہے جن کی عقلیں بہت آگے کا سوچتی ہیں۔ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صفائی نفس کے اعمال بہت اعلیٰ تھے اس وجہ سے حضرت کی تعلیمات نفس کی صفائی کے کاموں میں مشعلِ راہ ہیں۔ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات آج کل کے منطقی موشگافیوں کے جوابات کے لئے ماحول بنانے اور صلاحیت پیدا کرنے کے لئے مفید ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اکابر کی تعلیمات سے پورا پورا مستفید ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

051 5470582 0332 5289274

sshabirkakakhel@gmail.com,
sshabir@tazkia.org

حضرت شاہ صاحب مدظلہ کو سوالات بھیجنے کیلئے 0315 5195788

www.tazkia.org